



تصنیف لطیف

احافظ القاری مولانا غلام حسن قادری
مفتی دارالعلوم جزیب الخفاف لاہور

پبلیکیشنز
لاہور



بادشاہ اور جادوگر کا قصہ اور مزید اسلامی
تصنیف آموز، دلچسپ حکایات اور واقعات پر مبنی تصنیف

بادشاہ اور جادوگر کا قصہ

تصنیف لطیف

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری
منشی دارالعلوم حزب اللہ خائف لاہور

40- اردو بازار، لاہور

Mob: 0300-8852283

پبلیکیشنز

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

| | |
|-------------|---|
| نام کتاب: | بادشاہ اور چادوگر کا قصہ |
| تصنیف لطیف: | احافظ القاری مولانا غلام حسن قادری |
| پروف ریڈنگ: | پیر طریقت حضرت مولانا قاری محمد اصغر نورانی |
| کمپوزنگ: | محمد زاہد اقبال |
| ڈیزائننگ: | ڈسینٹ گرافکس (سخاوت حسین) |
| صفحات: | 160 |
| اشاعت: | جولائی 2014ء |
| تعداد: | 1100 |
| ناشر: | ایبیکیشنز لاہور |
| قیمت: | 140/- روپے |

ملنے کے پتے

40- اردو بازار، لاہور

Mob: 0300-8852283

ایبیکیشنز

نبیدہ سنٹر 40- اردو بازار

لاہور فون: 042-37352022

اکبر پبلشرز

فہرست

| | | |
|----|---|---|
| ۶ | عرضِ ناشر | ✿ |
| ۷ | بادشاہ اور جادوگر کا قصہ | ✿ |
| ۱۳ | سید ہونے کی نشانی | ✿ |
| ۱۶ | خواب کی بنیاد پر | ✿ |
| ۱۸ | اگر مجھ سے پوچھ لیا گیا..... | ✿ |
| ۱۹ | دنیا کی محبت | ✿ |
| ۲۲ | مرد حق باطل کے آگے مات کھا سکتا نہیں | ✿ |
| ۲۵ | ناجینا بھکاری یہودی اور حضرت عمر <small>رضی اللہ عنہ</small> | ✿ |
| ۲۶ | خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی غریب نوازی | ✿ |
| ۲۸ | میر کارواں اور خوئے دل نوازی | ✿ |
| ۲۹ | آخرت کا کام اور اسماء الہیہ کی برکات | ✿ |
| ۳۱ | سیاسی مولویوں کے لیے لمحہ فکریہ | ✿ |
| ۳۲ | جو تیرے منہ سے نکلی وہ بات ہو کے رہی | ✿ |
| ۳۵ | خواجہ نظام الدین <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> اور لوگوں کی دل جوئی | ✿ |
| ۳۷ | اور مظلوم کو اس کا حق مل گیا | ✿ |
| ۳۲ | شہید راہون | ✿ |
| ۳۵ | امام حسن بصری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا کلمہ حق | ✿ |
| ۳۶ | ٹی کا اثر | ✿ |
| ۳۷ | مشائخِ چشت اہل بہشت اور مخلوق کی دل جوئی | ✿ |
| ۵۵ | پانی پہ مصالی | ✿ |

- ۵۷ خوش نویدی باری تعالیٰ
- ۵۹ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں
- ۶۲ ایک کمسن بچہ مگر.....
- ۶۵ حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ اور ایک گاہک
- ۶۶ مدینے کا سفر ہے اور میں نم دیدہ نم دیدہ
- ۶۷ زہر بے اثر، کوہ قاف کے فرشتے، بہترین نگہبان کٹا ہوا ہاتھ، میزبان و مہمان
- ۷۰ امام مالک رضی اللہ عنہ اور خلیفہ منصور
- ۷۱ یہ ہے اصل حکومت
- ۷۲ ایک سوداگر کی کمال خیر خواہی
- ۷۳ وصال با کمال
- ۷۵ کبھی اے نوجوان مسلم تدبیر بھی کیا تو نے
- ۷۸ نجدی ذہنیت کا رد
- ۸۱ شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
- ۸۲ عجب خیر خواہی کا نظارہ
- ۸۶ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص سے دعا کروائی
- ۸۷ نیکی کا اجر و ثواب
- ۹۰ امام اعمش رضی اللہ عنہ اور ابن طاووس
- ۹۳ کار بد تو خود کرے، لعنت کرے شیطان پر
- ۹۵ دلوں کے جاسوس
- ۱۰۲ کوئی نہیں بھروسہ اے بھائی زندگی کا
- ۱۰۳ شیر کے ساتھ رات گزاری
- ۱۰۷ امراء و علماء
- ۱۱۳ یہ میرے رب کا فیصلہ ہے
- ۱۱۵ سلطان المشائخ اور خیر خواہی عالم

- ۱۱۸ یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے ❀
- ۱۱۹ بندوں کا رزق ❀
- ۱۲۱ بڑے پاک صورت بڑے نیک سیرت ❀
- ۱۲۲ گناہوں سے حفاظت ❀
- ۱۲۵ شاہ ولی اللہ اور نجف خاں ❀
- ۱۲۸ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی کا آخری دن ❀
- ۱۳۱ کرومہربانی تم اہل زمین پر ❀
- ۱۳۶ ایمان افروز جواب ❀
- ۱۳۹ انفاق فی سبیل اللہ کا اجر ❀
- ۱۴۲ قصوں میں عبرت ہوتی ہے ❀
- ۱۴۵ اہل عرب اور عہد و پیمان کی حفاظت ❀
- ۱۴۹ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی غریب پروری ❀
- ۱۵۱ مکہ معظمہ کی شان ❀
- ۱۵۲ ارادے جن کے پختہ ہوں ❀
- ۱۵۵ نظر جن کی خدا پر ہو ❀
- ۱۵۶ ابوالحسن نوری رضی اللہ عنہ اور کمال ایثار ❀
- ۱۵۹ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ❀

عرضِ ناشر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ

اللہ رب العزت جل شانہ کا بے حد و شمار شکر کہ اس کی رحمتِ کاملہ اعانت و نصرت اور اس کے محبوب کریم حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے وسیلہٴ جلیلہ سے ہمیں آپ قارئین کی خدمت میں مختلف موضوعات پر معیاری دینی اسلامی کتب شائع کر کے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہے۔ الحمد للہ۔

ہم اہل شوق و محبت کی علمی پیاس بجھانے کے لئے حتی الامکان سعی و کاوش میں مسلسل کوشاں ہیں۔

آپ سے التماس ہے کہ ممکن ہو تو اپنے قیمتی وقت سے چند لمحات نکال کر ہمیں اپنے گراں بہا مشوروں اور آراء سے نوازتے رہئے تاکہ ہماری مزید رہنمائی ہو اور ہم اپنی کتب کو اور زیادہ بہتر انداز اور معیار کی رفعتوں تک لے جائیں۔ بفضلہ تعالیٰ۔ گزارش ہے کہ اس کتاب میں اگر کسی قسم کی کوئی غلطی پائیں تو ضرور مطلع فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

امید ہے زیر نظر کتاب ”بادشاہ اور جادو گر کا قصہ“ متلاشیانِ علم و عرفان کے لئے باعثِ تسکین ہوگی۔

آپ کا خیر اندیش

بادشاہ اور جادوگر کا قصہ

جلیل القدر صحابی حضرت صہیب بن سنان بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ بنی مالک بن عمرو بن تمیم سے ہیں آپ کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے ابلہ کے حاکم تھے انہیں صہیب رومی اس لیے کہا جاتا ہے کہ رومیوں نے آپ کو بچپن میں قید کر لیا تھا۔ آخر کار صہیب کو بنو کلب کے ایک شخص نے خرید کر مکہ میں عبداللہ بن جدعان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ آپ ان کمزور ترین مسلمانوں کی صف میں تھے جنہیں اللہ کی راہ میں بے حد ظلم و ستم سہنا پڑا۔ آپ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شریک رہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب شہید کیا گیا تو انہوں نے شدید زخمی حالت میں وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ صہیب رضی اللہ عنہ پڑھائیں اور جب تک مسلمانوں کا کوئی خلیفہ مقرر نہ ہو ان کی امامت بھی یہی کراتے رہیں۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی وفات ستر سال کی عمر میں شوال ۳۸ھ میں ہوئی۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تم سے پہلے لوگوں میں ایک بادشاہ تھا اس کے پاس ایک جادوگر تھا۔ وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا اس نے بادشاہ سے عرض کیا:

”بادشاہ سلامت! میری عمر بھرا بڑھا پے کی سرحد پار کرنے والی ہے اس لیے کوئی لڑکا میری خدمت میں بھیجیں تاکہ میں اسے اپنا فن سکھلا دوں۔ (اور وہ میری وفات کے بعد میرا قائم مقام ہو سکے)“

بادشاہ نے جادوگر کے ہاں جادوگری سیکھنے کے لیے ایک لڑکا روانہ کر دیا۔ راستے

میں ایک راہب تھا وہ راہب کے پاس بیٹھ گیا اور اس کا کلام سنا۔ راہب کی بات اسے بڑی بھلی معلوم ہوئی اس کے بعد جب لڑکا جادوگر کے پاس جاتا تو جاتے جاتے اس راہب کی خدمت میں بھی حاضری دیتا اور کچھ دیر کے لیے بیٹھتا رہتا (اس وجہ سے جادوگر کے پاس پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی تھی) جب وہ جادوگر کے پاس پہنچتا تو اس کی پٹائی ہوتی تھی۔ لڑکے نے اس بات کی شکایت راہب سے کی تو اس نے یہ ترکیب بتائی کہ اگر جادوگر کی مار کا خوف ہو تو اس سے کہہ دینا کہ گھر والوں نے مجھے روک رکھا تھا اور جب گھر والوں کا خوف ہو تو یہ بہانہ کر دینا کہ جادوگر نے روک رکھا تھا۔

اس کے لیل و نہار اسی معمول کے مطابق گزر رہے تھے کہ ایک دن راستے میں ایک بھاری بھر کم جانور پر اس کی نگاہ پڑی جس نے لوگوں کی آمد و رفت میں رکاوٹ ڈال رکھی تھی۔

لڑکے نے اپنے دل میں کہا:

”آج میں جان لوں گا کہ جادوگر حق پر ہے یا راہب۔“

پھر لڑکے نے ایک پتھر لے کر کہا:

”اے اللہ! اگر جادوگر کے مقابلے میں راہب کا طریقہ تجھے محبوب ہے تو

اس جانور کو مار دے۔“

(یہ کہہ کر جانور کو پتھر دے مارا) اللہ کے حکم سے وہ بھاری بھر کم جانور وہیں ڈھیر ہو

گیا۔

جب وہ لڑکا راہب کے پاس پہنچا اور اسے حقیقت حال سے آگاہ کیا تو اس

نے کہا:

”اے بچے! اب تو مجھ سے افضل ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرا معاملہ حد کو

پہنچ چکا۔ عنقریب تجھے ابتلاء و آزمائش کا سامنا کرنا پڑے گا اگر تجھے

آزمائش میں ڈالا گیا تو میرا پتہ نہ بتلانا۔“

بیمار شفا یاب ہونے لگے

پھر یہ حال ہو گیا کہ وہ لڑکا اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھوں کو ٹھیک کرنے لگا، برص کی بیماری والے بھی اس کے علاج سے شفا یاب ہونے لگے اس کے علاوہ بھی وہ ہر قسم کی بیماریوں کا علاج معالجہ کرنے لگا اسی دوران بادشاہ کے ایک خاص آدمی کو جو اندھا تھا لڑکے کے کمالات معلوم ہوئے تو وہ بھی بہت سے تحائف لے کر لڑکے کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا:

”اگر تو نے مجھے شفا یاب کر دیا تو میں یہ جو کچھ لایا ہوں تجھے دے دوں گا۔“
لڑکے نے کہا:

”میں کسی کو شفا یاب نہیں کرتا بلکہ شفا عنایت کرنا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے اگر تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو میں اللہ تعالیٰ سے تیرے لیے دعا کروں گا۔ ممکن ہے وہ تجھے شفا دے دے۔“

وہ آدمی اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے بینائی بخش دی۔

پھر وہ آدمی بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور حسب معمول اس کے پاس بیٹھ گیا۔

بادشاہ نے پوچھا: ”تیری بینائی کس نے بحال کر دی؟“

اس نے جواب دیا: ”میرے پروردگار نے۔“

بادشاہ طیش میں آ کر بولا: ”کیا میرے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے؟“

اس نے ڈٹ کر کہا: ”میرا اور تیرا رب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔“

یہ سن کر بادشاہ بھڑک اٹھا اور اس آدمی کو مسلسل دردناک سزائیں دیتا رہا یہاں تک

کہ اس نے عاجز آ کر لڑکے کا پتہ بتا دیا اب بادشاہ نے اس لڑکے کو بلوا بھیجا۔

لڑکا حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا: ”ارے واہ! تیری جادوگری کا فن اس قدر کامیاب

ہو گیا کہ تو نابیناؤں کو بینائی عطا کرتا ہے اور برص کے مریضوں کو ٹھیک کر دیتا ہے اور

ساری بیماریاں تیرے علاج سے ٹھیک ہو جاتی ہیں۔“

لڑکے نے کہا: ”بادشاہ سلامت! میں اپنی طرف سے کسی کو شفا نہیں دیتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی مریضوں کو شفا یاب فرماتا ہے۔“

چنانچہ بادشاہ نے اسے بھی قید کر دیا اور طرح طرح کی سزائیں دینی شروع کر دیں یہاں تک کہ لڑکے نے راہب کا پتہ بتا دیا۔

راہب کو پکڑ کر لایا گیا اور اسے اپنے دین سے منحرف ہونے کا حکم دیا گیا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اس کے لیے ایک آرا لایا گیا اور اسے راہب کے سر کی مانگ پر رکھ کر چلا دیا گیا جس سے اس کے جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

پھر بادشاہ کا وہ خاص آدمی لایا گیا جسے بینائی مل گئی تھی اسے بھی اپنا دین چھوڑنے کو کہا گیا لیکن اس نے بھی انکار کر دیا چنانچہ اس کی مانگ پر بھی آرا چلا دیا گیا جس سے اس کا وجود کٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

پھر وہ لڑکا پیش ہوا اس سے بھی اپنا عقیدہ ترک کرنے کا مطالبہ کیا گیا لیکن اس نے بھی اپنا دین چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

لشکر ہلاک ہونے لگا

بادشاہ نے اس لڑکے کو اپنے سپاہیوں کی ایک ٹولی کے حوالے کر دیا اور حکم دیا: ”اسے فلاں پہاڑ پر لے جاؤ اور پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے کے بعد اسے اپنا دین چھوڑنے کو کہو اگر یہ اپنا دین ترک کر دے تو ٹھیک ہے ورنہ وہیں سے اسے دھکا دے کر نیچے پھینک دو۔“

سپاہی لڑکے کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ لڑکے نے دعا کی: ”الہی! تو ہی کارساز ہے ان لوگوں سے نپٹ لے۔“

چنانچہ پہاڑ ڈگمگانے لگا سارے سپاہی گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح سلامت واپس بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا۔

لڑکے کو دربار میں دیکھ کر بادشاہ بہت حیران ہوا اس نے پوچھا: ”تیرے ساتھ

جانے والے سپاہیوں کو کیا ہوا؟“

• لڑکے نے جواب دیا: ”اللہ تعالیٰ نے میری کفالت و کفایت فرمائی اور انہیں تباہ کر کے مجھے نجات عطا فرمائی۔“

بادشاہ نے لڑکے کو دوبارہ اپنے مصاحبین کی ایک جماعت کے حوالے کر دیا اور حکم دیا: ”اسے کشتی میں سوار کر کے عین سمندر کے بیچ لے جاؤ اگر یہ اپنے دین سے باز آ جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے سمندر میں غرق کر دو۔“

یہ جماعت لڑکے کو لے کر جب بیچ سمندر پہنچی تو لڑکے نے دعا کی:

”الہی! تو ہی بے نواؤں کا سہارا ہے میری طرف سے ان سے نمٹ لے۔“

یہ دعا کرنا تھی کہ کشتی الٹ گئی اور بادشاہ کے حواریوں کی پوری جماعت ڈوب گئی مگر لڑکا بادشاہ کے دربار میں صحیح سلامت واپس پہنچ گیا۔

بادشاہ نے چونک کر لڑکے سے پوچھا: ”تیرے ساتھ بھیجی گئی جماعت کا کیا ہوا؟“

لڑکے نے جواب دیا: ”اللہ تعالیٰ نے میری طرف سے ان سے نمٹ لیا۔“

پھر لڑکے نے بادشاہ سے کہا: ”اے بادشاہ! تو مجھے ہرگز قتل نہیں کر سکے گا، مجھے قتل کرنے کا ایک ہی راستہ ہے۔“ بادشاہ نے پوچھا: ”وہ کیا ہے؟“

ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے

لڑکے نے بتایا: ”لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کرو، کھجور کے تنے پر مجھے سولی پر لٹکا دو پھر میرے ترکش سے ایک تیر کھینچ لو اور اسے کمان کے بیچ میں رکھ کر یوں کہو: بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِ“

”اس لڑکے کے رب اللہ کے نام سے تیر چلاتا ہوں۔“

پھر مجھے نشانہ بناؤ جب ایسا کرو گے تو مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔“

چنانچہ بادشاہ نے لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کیا، لڑکے کو کھجور کے تنے پر لٹکا دیا پھر اس کے ترکش سے ایک تیر کھینچا اور اسے کمان میں رکھ کر کہا: بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِ۔

”پھر نشانہ لے کر تیر چھوڑا تو وہ لڑکے کی کپٹی پر جا لگا۔ لڑکے نے کپٹی پر وہاں ہاتھ رکھا جہاں تیر لگا تھا پھر وہ مر گیا۔ لوگ یہ ماجرا دیکھ کر رب کائنات کی حقیقت اور الہ واحد کی توحید سمجھ گئے اور بے اختیار پکار اٹھے: آمَنَّا بِرَبِّ الْعُلَامِ، آمَنَّا بِرَبِّ الْعُلَامِ، آمَنَّا بِرَبِّ الْعُلَامِ۔“

”ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے، ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے، ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔“

لوگوں نے بادشاہ سے کہا: ”آپ جس چیز سے ڈرتے تھے اللہ کی قسم وہ ہو کر رہا اور آپ کے سامنے آ گیا اب سب لوگ اللہ پر ایمان لے آئے ہیں۔“

بادشاہ طیش میں آ گیا اس نے حکم دیا کہ سڑکوں کے کنارے کنارے خندقیں کھودی جائیں اس کے حکم کی تعمیل میں خندقیں کھودی گئیں اور ان میں آگ بھڑکا دی گئی۔

بادشاہ نے حکم دیا: ”جو اپنے دین سے نہ پھرے اسے اس آگ میں جھونک دو یا اس سے کہو آگ میں کود پڑو۔“

خندقوں والے برباد ہو گئے

انہوں نے ایسا ہی کیا حتیٰ کہ ایک عورت آئی اس کے ہاتھوں میں ایک بچہ تھا وہ آگ میں گرنے سے جھجکا تو بچے نے کہا: ”اماں! صبر کر یقیناً توحق پر ہے۔“

اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ عالی شان ہے:

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۝ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۝ وَشَاهِدٍ مَّشْهُودٍ ۝
 قَتِيلِ أَصْحَابِ الْأَخْدُودِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ۝ إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ۝
 وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ۝ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ
 يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝
 وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

”ترجوں والے آسمان کی قسم! اور اس دن کی (قسم) جس کا وعدہ کیا گیا اور

حاضر ہونے والے کی اور حاضر کیے گئے کی (قسم) ہلاک کیے گئے ایندھن
 بھری آگ کی خندقوں والے جب کہ وہ ان خندقوں کے کنارے بیٹھے تھے
 اور جو کچھ وہ مومنوں کے ساتھ کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے اور انہیں ان
 (مومنوں) کا یہی کام برا معلوم ہوا کہ وہ غالب و بالا قابل تعریف اللہ پر
 ایمان لے آئے تھے۔ وہ ذات کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی
 بادشاہت ہے اور اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔“

چنانچہ خاتون نے بے دھڑک آگ میں چھلانگ لگا دی اس بادشاہ کا نام ذونواس
 تھا اور علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس ظالم اور متعصب بادشاہ نے صبح سے
 دوپہر تک بیس ہزار مومنین صادقین کو کھائیوں میں گرا کر شہید کر دیا۔
 (البروج ۱:۸۵-۹ واقعہ کی تفصیل کے لیے کتب تفسیر ملاحظہ فرمائیں جب کہ یہ حدیث صحیح مسلم
 میں ۳۰۰۵ پر موجود ہے)

سید ہونے کی نشانی

علامہ سید شریف مرتضیٰ حسین بغدادی جو سمرقند میں مقیم ہو گئے تھے بڑے امیر کبیر
 عالم تھے۔ بادشاہ ماورالنہر خاقان نے ان کو خلیفہ بغداد کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا
 ان کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ ساڑھے چار ہزار دینار سے دس ہزار دینار تک سالانہ علماء
 اور ائمہ حدیث کی دعوتوں اور نذرانوں پر خرچ کر ڈالتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک باغ میں علمائے کرام کی دعوت کا اہتمام کیا تو بادشاہ
 خاقان نے بھی اس دعوت میں شرکت کا ارادہ کیا مگر آپ نے صاف صاف فرمایا کہ میں
 اس دعوت میں بادشاہ کی رضا جوئی کے لیے گانے بجانے اور فسق و فجور کا سامان کر کے
 اپنے رب کو ناراض کرنے کا گناہ عظیم اپنے سر پر نہیں لے سکتا۔ خاقان نے ناراض ہو کر

آپ کو گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا مگر آپ ایک ماہ تک اس طرح روپوش رہے کہ خاقان ہزاروں کوششوں کے باوجود آپ کو گرفتار نہیں کر سکا پھر خاقان نے آپ کے لیے عام امن و امان کا اعلان کر دیا اور آپ کو دربار میں بلا کر فریب سے گرفتار کر کے جیل خانہ میں بند کر دیا اور آپ کی ساری جائے داد اور مال و متاع کو ضبط کر لیا اس وقت ایک دن آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ”جو شخص واقعی اہل بیت نبوت میں سے ہوگا وہ ضرور کبھی نہ کبھی اس قسم کی مصیبتوں میں گرفتار ہوگا۔ ہمیں ہمیشہ ناز و نعمت میں پلا تھا اس لیے کبھی کبھی مجھ کو یہ وہم ہونے لگتا تھا کہ میں سید ہوں یا نہیں؟ مگر اس حادثہ کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا کہ یقیناً میرا سلسلہ نسب حضور اکرم ﷺ تک متصل ہے۔“

ظالم خاقان نے جیل خانہ میں آب و دانہ بند کر دیا اور بھوک و پیاس سے تڑپ تڑپ کر آپ کی شہادت ہو گئی مگر آپ آخری دم تک صابر و شاکر رہے۔

آپ کے وصال کے بعد ابو العباس جوہری نے یہ خواب دیکھا کہ علامہ سید شریف مرتضیٰ جنت میں ہیں اور ان کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے اور وہ لوگ ان سے درخواست کر رہے ہیں کہ آپ کھانا تناول فرما لیجیے تو وہ یہ فرما رہے ہیں کہ جب تک میرا بچہ نہیں آجائے گا میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ابو العباس جوہری خواب سے بے دار ہوئے تو رمضان کی اسیسویں تاریخ تھی اور اسی دن علامہ سید شریف مرتضیٰ کے صاحب زادے شہید کیے گئے۔ آپ ۴۰۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۷۶ھ میں خاقان خضر بن ابراہیم نے آپ کو شہید کرایا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۱)

اس رقت انگیز و عبرت خیز حکایت میں بلاشبہ علمائے حق کے لیے بہت بڑا درس عمل ہے۔ ایک ظالم بادشاہ کے مقابلہ میں خداوند قدوس کی رضا جوئی کے لیے بڑے بڑے مصائب و آلام برداشت کرنے کے لیے استقامت کا ہمالیہ بن کر ڈٹ جانا یہ کسی معمولی دل گردے والے کا کام نہیں ہے۔ بلاشبہ علمائے حق کا یہ جذبہ حق پرستی اپنی رفعت و سر بلندی میں ایسی اعلیٰ منزل پر ہے کہ ہمالیہ کی چوٹیاں سر اٹھا اٹھا کر حسرت سے اس کا

منہ بھگتی ہیں اور آسمانوں کی سر بلندی جھک جھک کر اس کو سلام کرتی ہیں۔
حضرت علامہ سید شریف مرتضیٰ کا یہ ارشاد کہ جو سید ہوگا وہ ضرور کبھی نہ کبھی مصائب
و آفات کا شکار ہوگا واقعی آپ کا یہ فرمان والا شان تاریخی شواہد کی روشنی میں آفتاب سے
زیادہ روشن ہے۔ مصائب اور بلاؤں کا استقبال خاصانِ خدا کا خاص الخاص حصہ ہے۔
حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اشد الناس بلاء الانبياء ثم الامثل فالامثل

”سب سے زیادہ سخت امتحان اور آزمائش حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہوا کرتی
ہے پھر ان کے بعد جو شخص جس درجے کا بلند مرتبہ ہوگا اسی درجے کا اس کے لیے مصائب
اور بلاؤں کے ذریعے امتحان ہوا کرے گا کیوں نہ ہو کہ

منزل عشق میں تسلیم و رضا مشکل ہے

جن کے رُتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

محبوبانِ خدا خصوصاً حضرات اہل بیت کرام چونکہ یہ بزرگیوں اور کرامتوں کے
بڑے بڑے انعام و اکرام ربانی سے نوازے جاتے ہیں اس لیے اس اصول کے مطابق
کے جتنا بڑا انعام اتنا ہی بڑا امتحان یہ لوگ بڑے بڑے روح فرسا مصائب و آلام کی
منزلوں سے گزرتے اور بڑے بڑے مشکل امتحانوں کی آزمائش میں مبتلا کیے جاتے ہیں
اور یہ لوگ جب صبر و استقامت کے ساتھ ہر مصیبت کا مقابلہ کر کے امتحان میں کامیاب
ہو جاتے ہیں تو خداوندِ قدوس ان کو ایسے ایسے انعام و اکرام کی دولتوں سے مالا مال فرما دیتا
ہے کہ قدسی صفت ملائکہ بھی ان کے بلند درجات کے دیدار اور دُشمن کے تمنائی بن جاتے
ہیں۔ کسی شاعر نے اس حقیقت کو نہایت ہی حسین طرزِ بیان میں زیب قرطاس کیا ہے کہ

نامی کوئی بغیر مشقت کوئی نہیں ہوا

سو بار جب عقیق کٹا تب نگلیں ہوا

(روحانی حکایات)

خواب کی بنیاد پر

قاضی ابو عمر محمد بن یوسف کہتے ہیں: ”ہمارے پڑوس میں ایک شخص رہتا تھا جس کے بارے میں ایک قصہ زبان زدِ عام تھا کہ فقر و محتاجی کے طویل مراحل سے گزرنے کے بعد دولت و ثروت نے اس کی قدم بوسی کی ہے تب کہیں جا کر وہ اب زندگی کے ناز و نعم میں پل رہا ہے۔ میں نے ایک روز اس سے لوگوں کے زبان زدِ عام قصے کے متعلق دریافت کیا تو اس جوان نے اپنی روداد کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی:

”مجھے میرے والد کی طرف سے بہت سامان وراثت میں ملا تھا۔ میں نے بے اور بلیغ اسے خرچ کرنا شروع کر دیا اور انتہائی تھوڑی مدت میں پوری دولت کو ٹھکانے لگا دیا۔ معاملہ یہاں تک آپہنچا کہ میرے گھر کے دروازے کے ساتھ ساتھ گھر کی چھت بھی بک گئی اب میرے پاس کوئی دنیوی ساز و سامان باقی نہ بچا تھا جس کو بیچ کر کھاؤں اور نہ ہی کسی حیلہ سازی کی کوئی گنجائش تھی جو مجھے مال فراہم کرنے کا ذریعہ بنے۔ مدت تک میری والدہ سوت کات کات کر مجھے روٹی کھلاتی رہی۔

میں جوان آدمی تھا اور بے روزگاری سے سخت تنگ آچکا تھا۔ ایک دن میں نے ایک عجیب خواب دیکھا کہ ایک شخص مجھے مشورہ دے رہا ہے کہ تم مصر کیوں نہیں چلے جاتے وہاں اپنی قسمت آزماؤ! ہو سکتا ہے وہاں تمہارے لیے رزق کے دروازے کھل جائیں۔

صبح اٹھا تو میں نے خواب پر غور کیا اور اس کو غیبی مشورہ سمجھا اور مصر جانے کے لیے تیاری شروع کر دی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ میرے پاس کوئی تعارفی خط ہو جس سے میں اس اجنبی جگہ میں اپنی پہچان کروا سکوں۔ چنانچہ اے قاضی ابو عمر! میں آپ کے پاس گیا اور آپ کو اپنے والد کی دوستی اور پڑوسی ہونے کا واسطہ دیا کہ مجھے مصر کے قاضی کے

نام خط لکھ دیں۔ آپ نے مجھے ایک تعارفی خط دے دیا جسے میں لے کر مصر پہنچ گیا۔
مصر پہنچ کر میں نے تعارفی خط حکام کو دکھایا اور کوشش بھی کی مگر اس کا کوئی نتیجہ نہ
نکلا۔ کسی نے میری پرواہ نہ کی۔ میں خاصہ پریشان ہوا کہ اتنا سفر بھی کیا، مشقت بھی
اٹھائی اور پھر بھی کچھ حاصل نہ ہوا اس سے تو اپنا وطن اچھا تھا یہاں تو فاتحوں کی نوبت آگئی
ہے۔

وقت تیزی کے ساتھ گزرتا جا رہا تھا، جو کچھ میرے پاس تھا، ختم ہوتا جا رہا تھا۔
بھیک مانگنے کی نوبت آگئی۔ میں نے سوچا کہ چلو بھیک مانگ لیتے ہیں مگر اس کے لیے
ضمیر اجازت نہیں دیتا تھا۔ ادھر پیٹ تھا کہ کھانے کے لیے مانگ رہا تھا، میں مجبور ہو گیا
سوچا چلو رات کا انتظار کرتے ہیں۔ رات کو مانگنے کے لیے نکلا اب مانگنے کا طریقہ بھی
نہیں آتا تھا۔ شکل و صورت اور لباس سے میں بہت ہی غریب اور فقیر لگ رہا تھا مگر کسی کو
بھی میری حالت پر رحم نہ آیا ادھر رات گہری ہو چلی تھی۔ سڑک پر اکاڈ کا آدمی رہ گئے تھے
کہ اچانک پولیس کے سپاہیوں کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور مجھ سے
پوچھ گچھ کی اب میں اس علاقے میں اجنبی تھا، ان کو مزید شک ہو اور پولیس نے مجھے مارنا
شروع کر دیا۔ میں نے بڑا شور مچایا، رویا چلایا مگر پولیس کو کون روکتا؟

اچانک میں نے زور سے چیخ ماری اور کہا: ”مجھے چھوڑ دو، میں تمہیں ہر چیز سچ سچ
بتاتا ہوں۔“ پولیس والوں نے کہا: ”بتاؤ!“

چنانچہ میں نے بغداد سے مصر آنے کا سبب بیان کیا اور تفصیل سے بیان کیا کہ کس
طرح میں نے خواب دیکھا اور اس پر عمل کرتا ہوا یہاں پہنچا مگر یہاں بھی کچھ حاصل نہیں
ہوا۔

پولیس آفیسر نے کہا: ”میں نے تجھ سے زیادہ احمق آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم!
میں نے فلاں سال خواب میں دیکھا تھا کہ ایک آدمی مجھ سے کہہ رہا ہے:

”بغداد کی فلاں سڑک کے فلاں محلے میں فلاں آدمی کا گھر ہے..... پولیس آفیسر

نے میرا گھر اور میرا نام بتایا..... اس گھر کے اندر ایک باغیچہ ہے جس میں بیری کا ایک درخت ہے۔ میرے گھر میں واقعی ایک باغیچہ تھا اور بیری کا ایک پیڑ تھا اس بیری کے درخت کے نیچے تیس ہزار دینار مدفون ہیں جاؤ اور لے لو۔ میں نے اس بات پر کوئی دھیان نہیں دیا اور نہ ہی اس سلسلے میں کچھ سوچنا گوارا کیا لیکن اے احمق! تو کس قدر گدھا اور بے وقوف ہے کہ صرف ایک خواب کی بنیاد پر اپنا وطن عزیز چھوڑ کر مضر چلا آیا؟“

میں نے اسے بالکل ہی نہیں بتایا کہ جس گھر اور بیری کی تو بات کر رہا ہے وہ میرا ہی گھر ہے۔ میں نے اس کی منت سماجت کی اس کو میری حالت پر ترس آ گیا اور مجھے چھوڑ دیا۔ پولیس کے چنگل سے چھوٹا تو سیدھا ایک مسجد میں گیا، وہاں رات گزار لی۔ صبح سویرے اٹھا اور اپنے وطن جانے کے لیے تیاری شروع کی۔ اتفاقاً ایک قافلہ بغداد کی طرف روانہ ہو رہا تھا، میں ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ راستے میں اہل قافلہ کی خدمت کرتا رہا اور بغداد پہنچ گیا۔ گھر پہنچ کر میں نے بمصری پولیس آفیسر کا خواب سچا پایا۔

زندگی نے مجھے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ میں نے اس مال کو غنیمت جانا اور نہایت عقل مندی سے اس کو خرچ کرنا شروع کیا، کاروبار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں مجھے بہت برکت عطا فرمائی اور یہ جو کچھ مال و دولت آپ کو نظر آ رہا ہے سب اسی تجارت کا نتیجہ ہے۔“ (الفرج بعد الشدة والفسق للحازمی)

اگر مجھ سے پوچھ لیا گیا.....

حضرت سیدنا فتح بن شرف رضی اللہ عنہ کے بھانجے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا: ”بھوک کی وجہ سے میرے ماموں حضرت سیدنا بشر حافی رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں شدید درد ہوا اور پہلو میں بھی بہت تکلیف ہوئی۔ میری والدہ محترمہ سے ان کی یہ تکلیف دیکھی نہ گئی تو کہا: ”بھائی جان! اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے ہاتھوں سے کچھ پیس کر دلیہ پکا

لاؤں نرم غذا پیٹ میں جائے گی تو تکلیف میں کمی ہو جائے گی۔“
 فرمایا: ”فسوس! مجھے تو یہ خوف ہے اگر مجھ سے پوچھ لیا گیا کہ تیرے پاس یہ جو کا
 آٹا کہاں سے آیا تو میں کیا جواب دوں گا؟“

پھر انہوں نے دلیہ پکانے سے منع کر دیا۔ میری والدہ ان کی یہ حالت دیکھ کر رونے
 لگی ماموں بھی رونے لگے اور ان کے ساتھ میں بھی رو دیا ان کا سانس گھٹ گھٹ کر آ رہا
 تھا بڑی بے کسی کا عالم تھا۔ میری والدہ نے کہا: ”اے میرے بھائی! کاش میری ماں نے
 تجھے نہ جنا ہوتا۔ اللہ کی قسم! آپ کی تکلیف و غم دیکھ کر میرا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔“
 میری والدہ کی یہ بات سن کر ماموں جان نے کہا: ”اے کاش! ایسا ہی ہوتا کہ تیری
 ماں مجھے نہ جنتی اور جب میں پیدا ہو ہی گیا تھا تو کاش! وہ مجھے دودھ ہی نہ پلاتی۔“

(عیون الحکایات)

دنیا کی محبت

بیان کرتے ہیں کہ خضر علیہ السلام دریا کے کنارے بیٹھے تھے ناگاہ ایک سائل آیا اور اس
 نے ان سے کہا: ”اللہ کے واسطے میں تم سے سوال کرتا ہوں کچھ مجھے دو۔ حضرت خضر علیہ
 السلام پر بے ہوشی طاری ہو گئی جب ہوش آیا تو آپ نے اس سے فرمایا: میں تو صرف اپنی
 ذات اور جان کا مالک ہوں اور تم نے بحق اللہ مجھ سے سوال کیا ہے میں نے اپنی ذات تم
 کو بخشی تم اس کو بیچو اور اس کی قیمت سے فائدہ اٹھاؤ۔“

چنانچہ سائل ان کو بازار لے گیا اور ایک شخص کے ہاتھ بیچ ڈالا اس خریدار کا نام ساحم
 بن ارقم کہا جاتا تھا اس کے بعد وہ ان کو اپنے گھر لے گیا۔ خریدار کا ایک باغ تھا جو اس
 کے گھر کی پشت پر واقع تھا۔ ساحم خریدار نے حضرت خضر علیہ السلام کو ایک کدال دیا اور ان کو
 حکم دیا کہ پہاڑ سے مٹی کاٹیں اور باغ میں اس کو ڈال دیں۔ وہ پہاڑ ایک فرسنگ لمبا اور

ایک فرسنگ چوڑا تھا (ایک فرسنگ تین میل کا ہوتا ہے) اس کے بعد ساحم اپنی ضرورت کی وجہ سے وہاں سے باہر چلا گیا۔ پس حضرت علیہ السلام پہاڑ کاٹنے اور اس کو باغ میں ڈالنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ جب ساحم واپس آیا تو اپنے گھر والوں سے پوچھا: ”کیا تم لوگوں نے غلام کو کھانا کھلایا؟“ ان لوگوں نے اس سے کہا: ”غلام کہاں ہے ہم کو اس کا علم نہیں۔“

پھر ساحم نے کھانا اٹھایا اور غلام یعنی حضرت علیہ السلام کے پاس آئے تو ان کو اس حال میں پایا کہ وہ پورے پہاڑ کے کاٹنے سے فارغ ہو کر کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ساحم کو تعجب ہوا اور قریب تھا کہ اس پر بے ہوشی طاری ہو جائے۔ ساحم نے ان سے پوچھا:

”مجھے یہ تو بتلاؤ کہ تم کون ہو؟“

یہ سن کر حضرت علیہ السلام پھر تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہو گئے پھر جب افاقہ ہوا تو اس سے کہا: ”میں حضرت ہوں۔“

ساحم بے ہوش ہو گیا جب افاقہ ہوا تو اس نے توبہ کی اور اپنے پروردگار سے بہت حذر خواہی کی اور ان کو آزاد کر دیا اور کہا: ”اے رب! مجھ سے اس کا مواخذہ نہ کر اس لیے کہ میں ان کو نہیں جانتا تھا۔“

اس کے بعد حضرت علیہ السلام نے سجدہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور کہا: ”اے اللہ تعالیٰ! میں تیرے حق میں غلام ہوا اور تیرے حق سے آزاد ہوا۔“

اس کے بعد انہوں نے واپسی کی اجازت مانگی چنانچہ ان کو اجازت دی گئی۔ پس وہ دریا کے کنارے واپس آئے یہاں آ کر انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص دریا پر کھڑا ہو کر کہتا ہے: ”اے میرے رب! حضرت علیہ السلام کو غلامی سے رہائی دے اور ان کی توبہ قبول فرما۔“

حضرت علیہ السلام نے اس سے کہا: ”تم کون ہو؟“

اس نے جواب دیا: ”میں شادون ہوں۔“

پھر شادون نے خضر علیہ السلام سے پوچھا: ”تم کون ہو؟“

انہوں نے کہا: ”میں خضر ہوں۔“

اس کے بعد شادون نے ان سے کہا: ”اے خضر! تم نے دنیا طلب کی کیونکہ تم نے اپنی ذات کے واسطے رہنے کا مکان بنایا۔“

دریا کے کنارہ پر خضر علیہ السلام کا ایک عبادت خانہ تھا پس فوراً وہ میدان میں نکل آئے اور اسی میں اللہ کی عبادت کرنے لگے اس کے بعد انہوں نے اسی مقام میں ایک درخت لگایا اور اس کے سایہ میں عبادت کرنے لگے۔ پس آواز آئی کہ اے خضر! جس وقت تم نے درخت کے سایہ میں سجدہ کیا تو تم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ مجھے اپنی عزت اور بزرگی کی قسم ہے دنیا کی محبت میں میری رضامندی نہیں ہے اس کے بعد خضر علیہ السلام نے کہا:

”اے شادون! (غالباً یہ فرشتے کا نام ہے) اللہ تعالیٰ سے دعا کرو یہاں تک کہ وہ میری توبہ قبول فرمائے۔“

چنانچہ شادون نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سے خضر علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اس حکایت کی صحت کا حال خدا ہی خوب جانتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک بندہ جناب باری کے حضور میں لایا جائے گا اور اس کا حساب کیا جائے گا اس کی برائیاں زیادہ ہوں گی۔ چنانچہ اس کو آگ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا اس کے بعد اس کی آنکھ کا ایک بال عرض کرے گا:

”اے میرے پروردگار! بے شک تیرے نبی محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص خوفِ الہی سے روئے گا تو اللہ تعالیٰ آتشِ دوزخ کو اس کی آنکھ پر حرام کرے گا لہذا اس کی آنکھ سے مجھے نکال لے پھر اس کو دوزخ میں بھیج (یہ سن کر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو نے مجھ سے بخشائش کی کیوں نہ طلب کی؟ وہ بال عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے تجھ سے خوف کیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ میں نے تیری وجہ سے اس شخص کی بزرگی کی لہذا تو اس کو جنت میں لے جا۔“ (قلوبی)

مردِ حق باطل کے آگے مات کھا سکتا نہیں

علامہ یعقوب بن اسحاق جو عام طور پر علامہ ابن السکیت کہلاتے ہیں، بہت ہی جلیل القدر عالم دین تھے اور بادشاہ بغداد متوکل باللہ کے دونوں فرزند معز باللہ اور مؤید باللہ کے معلم تھے اور دربارِ شاہی میں بڑا وقار و اعتبار رکھتے تھے۔ ایک دن متوکل باللہ نے اپنی سلطنت کے غرور میں آپ سے یہ سوال کیا کہ میرے یہ دونوں فرزند آپ کے نزدیک محبوب ہیں یا حضرت امام حسن اور امام حسین؟

یہ سوال سنتے ہی علامہ ابن السکیت کے اسلامی خون میں ایمانی جذبات کا آتش فشاں پھٹ پڑا اور انہوں نے انتہائی جلال میں آ کر فرمایا: ”اے متوکل! خدا کی قسم! میرے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ادنیٰ غلام قنبر تجھ سے اور تیرے بیٹوں سے لاکھوں درجے بہتر اور محبوب ہے۔“

یہ سنتا تھا کہ متوکل مارے غصہ کے آگ بگولا ہو گیا اور ظالم نے جلا دوں کو حکم دیا کہ ابن السکیت کی زبان کھینچ کر نکال لی جائے اس حق گوئی اور حق پرور عالم حقانی کی زبان کھینچ لی گئی اور وہ شہید ہو گئے۔ (روح البیان ج ۲ ص ۳۱۳)

مسلمانو! دیکھ لو یہ ہے ایک حق پرست عالم دین کی شانِ اکبر۔ کسی شاعر حق گوئے کیا خوب کہا ہے

مردِ حق باطل کے آگے مات کھا سکتا نہیں

سر کٹا سکتا ہے لیکن سر جھکا سکتا نہیں

☆..... اہل بن مزاحم محدث بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے بار بار دنیا ان کے قدموں پر گری مگر ہر بار انہوں نے دنیا کو اپنی ٹھوکروں سے ٹھکرا دیا اور دنیاوی جاہ و جلال کو قبول نہیں فرمایا اور کوڑوں کی ضرب

شدید کو گوارا فرمایا۔ دو مرتبہ آپ کو کوڑے لگائے گئے مگر حق پر استقامت سے آپ کے قدم نہیں ڈگمگائے۔

ایک مرتبہ اموی دور حکومت میں کوفہ کے گورنر عمر بن ہبیرہ نے آپ سے عہد قضا قبول کرنے پر اصرار کیا، آپ نے نہایت حقارت کے ساتھ اس عہدہ کو ٹھکرایا تو اس ظالم نے آپ کو سو کوڑے لگوائے بالآخر ہار مان کر آپ کو چھوڑ دیا دس دن تک روزانہ جلا داد آپ کو دس دس کوڑے مارتا رہا اور آپ ہر روز یہی فرماتے رہے کہ میں ایک ظالم حکومت کا بیج بن کر اس کے ظلم میں شریک ہونے کا گناہ عظیم ہرگز ہرگز اپنے سر لینے کے لیے تیار نہیں۔ دوسری مرتبہ جب عباسی سلطنت کے زمانے میں خلیفہ بغداد منصور نے آپ کو دربار میں طلب کر کے عہدہ قاضی القضاة پیش کیا تو آپ برابر انکار کرتے رہے یہاں تک کہ خلیفہ نے جھلا کر کہا:

”خدا کی قسم! تمہیں یہ عہدہ قبول کرنا پڑے گا۔“

آپ نے جواب میں فرمایا: ”خدا کی قسم! میں کبھی بھی یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا۔“ ربيع دربان نے کہا: ”اے ابوحنیفہ! کیا غضب کرتے ہو؟ تم امیر المؤمنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو؟“

آپ نے فرمایا: ”امیر المؤمنین کو اپنی قسم کا کفارہ ادا کر لینا مجھ سے زیادہ آسان ہے۔“

خلیفہ منصور نے غضب ناک ہو کر آپ کو قید کر دیا اور جلااد کو حکم دیا کہ جب تک یہ عہدہ قضا قبول نہ کریں روزانہ ان کو دس کوڑے لگائے جائیں۔ دوران قید ایک دن دربار میں بلا کر پھر منصور نے کہا: ”اے ابوحنیفہ! اپنی جان پر رحم کرو اور یہ عہدہ قبول کر لو۔“ آپ نے فرمایا: ”خدا امیر المؤمنین کا بھلا کرے میں اس عہدہ کے لائق نہیں ہوں۔“

منصور نے بگڑ کر کہا: ”تم جھوٹے ہو۔“

امام نے جواب دیا: ”اب تو امیر المؤمنین نے خود ہی میرے قول کی تصدیق کر دی کہ مجھ کو جھوٹا کہا اگر واقعی میں جھوٹا ہوں تو ایک جھوٹا آدمی بھلا قاضی القضاة بننے کے لائق کیونکر ہو سکتا ہے اور اگر میں سچا ہوں تو میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس عہدہ کے لائق نہیں ہوں۔“

منصور نے آپ کا جواب سن کر پھر آپ کو جیل بھیج دیا۔ چنانچہ آپ اسی قید خانہ میں چھ دن بیمار رہ کر ۱۵۰ھ میں ستر برس کی عمر پر اکروصال فرما گئے۔
امام الحدیث ابن جریر کو جب آپ کی وفات کی خبر ملی تو ایک سرد آہ کھینچ کر انہوں نے اناتھ پڑھا اور کہا: ای علم ذهب۔

”ہائے! کیسا علم اٹھ گیا۔“ (تبرہ تاریخ بغداد ص ۲۴)

اللہ اکبر! جیل خانہ اور کوڑوں کی ضرب شدید اور موت کو امام نے گوارا فرمایا مگر حکومت کے سب سے بڑے معزز عہدہ کو قبول نہیں فرمایا اس لیے کہ اس مغرور با اقتدار عہدہ کو قبول کر لینے پر اگرچہ دنیاوی جاہ و جلال بہت ہی بڑا حاصل ہو جاتا ہے اور تنخواہ بھی زیادہ ملتی ہے مگر مشکل یہ تھی کہ ظالم حکومت تھی۔ بادشاہ کے ہر ظالمانہ حکم کی بحیثیت چیف جسٹس آپ کو تصدیق و تائید کرنی پڑتی اور سینکڑوں بے گناہوں کے خون ناحق کے ظالمانہ فیصلہ پر آپ کو مہر تصدیق لگانی پڑتی۔ یہ وہ بلائیں تھیں جن کو امام اعظم کا تقویٰ ہرگز ہرگز قبول نہیں کر سکتا تھا اسی لیے امام ممدوح نے اپنی جان دے دی مگر اس عہدہ کو قبول نہیں فرمایا اور قیامت تک آنے والے علمائے حق کو اپنے اس عملی شاہکار سے یہ درس دے دیا ہے

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

ناہینا بھکاری یہودی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ

قاضی ابو یوسف نے اپنی کتاب ”الخراج“ میں بیان کیا ہے:

”ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک گلی سے گزر رہے تھے دیکھا کہ ایک ناہینا بوڑھا ہاتھ میں کشلول لیے بھیک مانگ رہا ہے۔ شکل و صورت سے وہ مسلمان کی بجائے ذمی معلوم ہو رہا تھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کے بازو پر ہلکی سی ضرب لگائی اور پوچھا: ”اہل کتاب کی کس قوم سے تیرا تعلق ہے؟“ ناہینا بھکاری:

”یہودی ہوں۔“

امیر المومنین: ”یہ جو میں تجھے کشلول اٹھائے دیکھ رہا ہوں، آخر ماجرا کیا ہے؟“

ناہینا بھکاری: ”ایک تو جزیہ ادا کرنا ہوتا ہے دوسرے میری زندگی کی ضروریات بھی ہیں اور تیسرے میں بوڑھا ہوں اس لیے کما نہیں سکتا پھر میری ضروریات زندگی کا مسئلہ کیسے حل ہو اور جزیہ کہاں سے ادا کروں؟ لہذا بھیک مانگ رہا ہوں۔“

امیر المومنین نے جب اس کی بات سنی تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور ممکن حد تک اسے عطا فرمایا پھر بیت المال کے خازن کو بلا کر حکم دیا:

أَنْظِرْ هَذَا وَضَرْبَاءَهُ، قَوْلَ اللَّهِ! مَا أَنْصَفْنَا الرَّجُلَ أَنْ أَكَلْنَا شَبِيبَتَهُ ثُمَّ نَحَذُلُهُ عِنْدَ الْهَرَمِ (إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ)

”اس ناہینا بوڑھے یہودی کا اور اس کی طرح دوسرے اہل کتاب کا خوب خوب خیال رکھو! اللہ کی قسم! ہم نے اس بوڑھے یہودی کے ساتھ انصاف نہیں کیا اس کی جوانی میں تو ہم اس سے ٹیکس لیتے رہے اور بوڑھاپے میں ذلیل کر رہے ہیں (یقیناً صدقات و خیرات فقراء و مساکین کے لیے ہیں)“ (التوبہ: ۶۰)

لہذا یہ بوڑھا نابینا اہل کتاب کے مسکینوں میں سے ہے پھر امیر المومنین نے اس بوڑھے سے اور اس کے مانند دوسرے اہل کتاب سے جزیہ ساقط کر دیا۔

(الخراج قاضی ابو یوسف (ص ۱۷۶) دار المعرفۃ بیروت)

خواجہ غریب نواز کی غریب نوازی

جب سلطان التمش کی حکومت آئی (۶۳۳ھ/۱۲۳۵-۱۲۱۰) تو وہ اپنی حکومت کے زمانہ میں بزرگان دین خصوصاً خواجگان چشت کا بہت معتقد اور گرویدہ رہا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء) کے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔ ان سے عرفان و طریقت کی علمی و عملی تعلیم آخری وقت تک حاصل کرتا رہا ایک بار حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۲۷ھ/۱۲۲۹ء) دہلی آئے تو ان کے دیدار سے مشرف ہونے کے لیے دہلی کے تمام خواص و عام ان کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن ان کے پیر بھائی نجم الدین صغریٰ ان سے ملنے نہ آئے جن کو سلطان التمش نے شیخ الاسلام کے عہدہ پر مامور کر رکھا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین خود ان سے ملنے گئے اس کے باوجود شیخ نجم الدین صغریٰ ان سے گرم جوشی کے بجائے سرد مہری سے ملے۔ حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ محسوس کر کے ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ جب سے ان کے حکم سے حضرت قطب الدین بختیار کاکی دہلی میں مقیم ہوئے ہیں۔ شیخ الاسلام کی عزت و وقعت باقی نہیں رہی ہے۔ تمام لوگ قطب صاحب ہی کی طرف مائل رہتے ہیں کوئی ان کے یعنی نجم الدین صغریٰ کے پاس نہیں آتا۔ حضرت خواجہ معین الدین نے ان کے بار خاطر دُور کرنے کا یقین دلایا اور قطب صاحب کے پاس آ کر ان کو دہلی چھوڑ دینے اور اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا یہ حکم سن کر دہلی کے تمام باشندے ششدر رہ گئے۔ خود سلطان التمش دم بخود تھا کہ اس شیخ الاسلام نے اس کے

مرشد کے ساتھ زیادتی کی لیکن اپنے شیخ الاسلام سے باز پرس کرنے کے بجائے اس نے حضرت خواجہ معین الدین سے اس حکم کے بدلوانے کے لیے منت کی مگر حضرت خواجہ صاحب نے اس کی بات نہ مانی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ درویش کی شان یہ ہے کہ درویش سے کسی ایک کی بھی دل آزاری نہ ہو جب دونوں بزرگان دین دہلی سے رخصت ہونے لگے تو لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ شہر دہلی معرفت کے آفتاب و مہتاب کی تجلیوں سے محروم ہو رہا ہے۔ ہر طرف کہرام مچ گیا، تمام اہل شہر ان دونوں بزرگوں کے پیچھے پیچھے چلنے لگے ان ہی کے جلوں میں سلطان الہمش بھی تھا۔ قطب صاحب کی ذات سے لوگوں کی شیفتگی و فریفتگی کا یہ عالم تھا کہ جس جگہ وہ قدم مبارک رکھتے لوگ اس جگہ کی خاک تبرکاً اٹھا لیتے تھے اور اس طرح آہ و بکا کرتے تھے جس طرح فراق یار پر عاشق زار کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ منظر دیکھا تو ارشاد فرمایا: ”بختیار تم یہیں رہو میں تم کو اس لیے لے جا رہا تھا کہ دہلی میں تمہارے رہنے سے ایک شخص کی دل آزاری ہوتی ہے لیکن دہلی میں تمہارے نہ رہنے سے دہلی کے تمام لوگوں کے دل خراب و کباب ہوں گے جو گوارہ نہیں کیا جاسکتا اس فیصلہ سے دہلی کے لوگ پھولے نہ سمائے، خود سلطان الہمش نے خوشی میں بڑھ کر حضرت خواجہ معین الدین کے قدم چومے اور قطب صاحب کے ساتھ خوش خوش دہلی آیا۔“

(ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں از سید صلاح الدین عبدالرحمن مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۶۸ء، ص: ۳۱-۳۲)

سیر الاولیاء، ص: ۵۵-۵۴، سیر الاقطاب (اردو)، ص: ۱۰، تاریخ دعوت و عزیمت ج: ۳، ص: ۳۲-۳۳، تاریخ مشائخ

چشت، ص: ۱۵۲-۱۵۳)

میر کارواں اور خوی دل نوازی

حضرت سیدنا مصعب بن احمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”ایک مرتبہ زمانے کے مشہور ولی حضرت سیدنا ابو محمد عبداللہ رباطی رضی اللہ عنہ بغداد تشریف لائے ان کا مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً جانے کا ارادہ تھا کافی عرصے سے میری خواہش تھی کہ ان کی رفاقت میں سفر کرنے کی اجازت عطا فرمادیں۔ مگر آپ رضی اللہ عنہ نے اس سال مجھے اپنی رفاقت عطا نہ فرمائی۔ دوسرے سال بھی مجھے یہ سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ تیسرے سال میں پھر حاضر ہوا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اس شرط پر تم میرے ساتھ سفر کر سکتے ہو کہ ہم میں سے ایک امیر ہوگا اور اس کی اطاعت لازم ہوگی۔“

میں نے بخوشی یہ شرط قبول کر لی اور کہا: ”حضور! آپ امیر ہیں۔“

فرمایا: ”نہیں! بلکہ تم امیر ہو۔“

میں نے پھر عرض کی: ”حضور! آپ کا مقام و مرتبہ بڑا ہے لہذا آپ ہی امیر ہیں۔“

فرمایا: ”ٹھیک ہے میں ہی امیر ہوں لیکن میری نافرمانی نہ کرنا۔“

میں نے کہا: ”ٹھیک ہے میں ہرگز آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔“

پھر میں اس ولی کامل کے ہمراہ سوئے حرم چل دیا جب کھانے کا وقت ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے بٹھایا اور خود بڑی عاجزی و انکساری کے ساتھ میرے لیے کھانا لائے۔ میں نے چاہا کہ انہیں روکوں اور ان کی خدمت کروں لیکن معاملہ برعکس تھا۔ وہ مجھے بہت زیادہ تعظیم دے رہے تھے میں جب بھی انہیں روکنا چاہتا تو فرماتے:

”کیا تم نے یہ شرط منظور نہ کی تھی کہ تم حکم عدولی نہیں کرو گے؟“

اسی طرح وہ سب میرا کام کرتے رہے۔ میرا سارا سامان بھی انہوں نے اٹھائے

رکھا اب میں دل میں کہنے لگا: ”میری وجہ سے انہیں بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ اے کاش!

میں ان کا رفیق سفر نہ بنتا مگر اب مجبور ہوں کیا کروں؟“

سفر طے ہوتا رہا اور وہ ولی کامل ہر طرح سے میری خاطر مدارت کرتے رہے پھر ایسا ہوا کہ دوران سفر ہمیں بارش نے آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابوالاحمد ﷺ! میل (یعنی راستے کی پہچان کے لیے بنائے ہوئے نشانات) تلاش کرو جب ہم میل (نشان) کے قریب پہنچ گئے تو مجھے چھوٹی سی برجی (یعنی گنبد یا ستون) کی آڑ میں بٹھایا اور خود مجھ پر چادر تان کر کھڑے ہو گئے۔ میرے منع کرنے کے باوجود خود سخت سردی میں بھگتے رہے لیکن مجھے نہ بھگنے دیا۔ میں کچھ عرض کرتا تو فرماتے ”میں تمہارا امیر ہوں اور ہم نے یہ بات طے کر لی تھی کہ تم میرے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرو گے لہذا جو میں کہوں تمہیں اس پر عمل کرنا ہوگا اب میں ان کی رفاقت پر بہت پچھتا رہا تھا کہ میری وجہ سے انہیں کتنی دشواری ہو رہی ہے۔ اے کاش! میں ان کا رفیق نہ بنا ہوتا۔“

الغرض بغداد شریف سے مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً و تکریماً تک وہ نیک خصلت ولی کامل میری ہر طرح سے خاطر مدارت کرتے رہے یہاں تک کہ ہم مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً میں داخل ہو گئے۔“ (عیون الحکایات لابن الجوزی)

آخرت کا کام اور اسماء الہیہ کی برکات

منقول ہے کہ حامد لفاق علیہ الرحمۃ نے جمعہ کی نماز کے واسطے جانا چاہا حالانکہ ان کا گدھا گم ہو گیا تھا ان کا آٹا چکی میں تھا اور ان کی زمین کی آب پاشی کی باری اور وقت آ گیا تھا۔ انہوں نے اپنی جی میں غور کیا اور کہا کہ اگر جمعہ کی نماز کے واسطے جاتا ہوں تو میرے یہ سب کام فوت ہوتے ہیں پھر انہوں نے کہا کہ آخرت کا کام بہتر ہے چنانچہ وہ جمعہ کے واسطے گئے جب وہ واپس آئے تو اپنی زمین کو سیراب پایا اور اپنا گدھا طویلہ میں پایا اور اپنی بی بی کو روٹی پکاتے پایا چنانچہ انہوں نے اپنی بی بی سے پوچھا۔ بی بی نے ان سے کہا: ”گدھا دوڑا آتا ہے اور شیر اس کے گرد ہے جب میں نے دروازہ کھول دیا تو

گدھا گھر میں داخل ہو گیا اور ہمارے پڑوسی نے اپنی زمین کو پہنچنا چاہا اتفاق سے وہ سو گیا اور پانی جاری ہوا اس نے ہماری زمین کو سیراب کر دیا اور آٹائیوں ہاتھ آیا کہ ہمارے پڑوسی کا آٹا چکی میں تھا پس وہ گیا تاکہ اس کو لائے لیکن اس نے غلطی کی اور ہماری گون اٹھالایا جب وہ اپنے گھر آیا تو اس نے اس کو پہچانا اور اس کو ہمارے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد حامد نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا: ”اے میرے رب! میں نے تیرا ایک حکم پورا کیا اور تو نے میری تین حاجتوں کو پورا کیا۔ تیرا شکر ہے۔“

☆..... بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی پر سوار ہوئے تو کشتی

آسمان اور زمین کے درمیان بلند ہوئی لہروں نے کشتی کو تھپڑے دیئے پانی گرم تھا پانی کی گرمی سے روغن قیر (تارکول) پگھل گیا اور قریب تھا کہ کشتی پانی میں ڈوب جائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے ایک نام حضرت نوح علیہ السلام کو سکھلایا۔ انہوں

نے اس نام کے ذریعہ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے روغن قیر جم گیا اور وہ

نام ابھی اشرابینا ہے اور اس کے معنی یاجی یا قیوم ہیں۔ یہ تورات میں ہے اس کی برکت

سے ڈوبتا ہوا ڈوبنے سے سلامت رہتا ہے اس نام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

سکھایا تھا جب وہ آگ میں ڈالے گئے۔ چنانچہ وہ آگ ان پر سرد اور سلامتی ہو گئی تھی

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحب زادہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کو حرم کی طرف لے گئے

تھے اور ان کو وہاں یکہ و تنہا بسایا تھا تو ابراہیم علیہ السلام نے یہ نام ان کو بتایا تھا اور ان کو حکم دیا تھا

کہ وہ اس نام کے ساتھ دعا کریں جب ان کو اس کی احتیاج ہو پس جب حضرت اسمعیل

علیہ السلام پیاسے ہوئے اور ان کو اور ان کی والدہ کو رنج و تکلیف پہنچی تو حضرت اسمعیل علیہ السلام نے

اس نام کے ذریعہ سے دعا کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے واسطے چشمہ زمزم جاری کر

دیا اور نام اولاد حضرت اسمعیل کے مونہوں میں اور ملاحوں کے مونہوں میں قیامت کے

دن تک باقی رہے گا۔ (قلیوبی)

سیاسی مولویوں کے لیے لمحہ فکریہ

عمر بن ہبیرہ سلطنت بنو امیہ کا بڑا ہی ظالم و جابر گورنر تھا، یہی وہ جلا دصفت شخص ہے جس نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کوڑے لگوائے تھے اس نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح شیخ الحدیث حضرت منصور بن معتمر کو بھی دربار میں بلا کر حج کا عہدہ پیش کیا مگر اس پیکر علم و عمل محدث کبیر نے فرمایا: ”اے امیر! میں ہرگز ہرگز اس عہدہ کو قبول نہیں کر سکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”قیامت کے دن ظالموں اور ظالموں کے مددگاروں اور ظالموں کی پارٹیوں یہاں تک کہ ان لوگوں کو جنہوں نے ظالموں کو قلم بھی دیا ہو گا یادوات پیش کی ہوگی ان سب کو خدا کا منادی پکارے گا پھر ان سب کو ایک ساتھ لوہے کے صندوق میں بند کر کے جہنم میں پھینک دے گا۔“ عمر بن ہبیرہ نے آپ کا یہ حقانی کلام سن کر آپ کو دربار سے نکلوا دیا۔ (مستطرف ج ۱ ص ۱۰۵)

اس نورانی واقعہ میں آج کل کے سیاسی مولویوں کے لیے بہت بڑی عبرت کا سامان ہے کہ محض ایک کرسی کے لیے یہ لوگ حکومت کے ظالمانہ فیصلوں پر ہاتھ اٹھا کر ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں اور حکومت کے بڑے سے بڑے ظلم پر بھی گونگے بہرے بنے ہوئے اپنی کرسیوں سے چمٹے ہوئے خدا و رسول اور اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف ووٹ اور بیانات دیتے رہتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ان لعنتی کرسیوں کو ٹھوکر مار کر کلمہ حق کا اعلان کریں، ایک ایک کرسی کے لیے قرآن کی آیت الکرسی کو بیچتے رہتے ہیں اور حکومت کے مظالم کی تاویل کرتے پھرتے ہیں اور ملک کے بیرون ملک کے عوام کو جھوٹ بول بول کر گمراہ کرتے پھرتے ہیں اور قیامت کے دن اپنے برے انجام کی ذرا بھی فکر نہیں کرتے۔ افسوس! بالکل سچ کہا ہے ڈاکٹر اقبال نے ان سیاسی مولویوں کے

بارے میں کہ

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

(روحانی حکایات)

جو تیرے منہ سے نکلی وہ بات ہو کے رہی

ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھا بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کُلْ بِيَمِينِكَ. ”دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ۔“
اس آدمی نے کہا: لَا أَسْتَطِيعُ. ”میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا (اس نے تکبر سے کہا)۔“

رسول اکرم ﷺ کی زبان سے نکلا: لَا أَسْتَطِيعُ. ”تو اس ہاتھ سے نہ ہی کھا سکے۔“

راوی کا بیان ہے کہ پھر وہ کبھی اپنا ہاتھ اپنے منہ تک نہیں اٹھا سکا۔ (رسول اکرم ﷺ کی نافرمانی کی سزا سے مل گئی) (مسلم: الا شربة باب آداب الطعام والشراب وأحكامها ۲۰۲۱)
بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مال دار شخص صفا اور مروہ کے درمیان گھوڑے پر سوار ہو کر سعی کر رہا تھا یہ اس وقت کی بات ہے جب مسعى مسجد حرام کے احاطے سے باہر تھا اس کے ارد گرد چھوٹے بڑے غلاموں اور نوکروں کا ہجوم تھا جس سے راستہ تنگ پڑ چکا تھا۔ یہ دیکھ کر سعی کرنے والے دیگر لوگوں کو سخت غصہ آیا اور وہ گھور گھور کر اس آدمی کو دیکھنے لگے۔ وہ خاصہ لمبا ترنگا انسان تھا اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔

اس مال دار نے جس سال حج کیا اسی سال حج کرنے والوں میں سے کسی کی ملاقات چند سالوں بعد اس مال دار سے ہوئی جو اب بغداد کے پل پر بیٹھ کر لوگوں سے

بھیک مانگ رہا تھا۔ حاجی نے مال دار سے (جواب بھکاری کے روپ میں تھا) پوچھا:
 ”کیا تو وہی آدمی تو نہیں ہے جس نے فلاں سال حج کیا تھا اور تیرے اردگرد
 غلاموں اور نوکروں کا اس قدر ہجوم تھا کہ دیگر لوگوں کے لیے مسعی میں راستہ تنگ پڑ گیا
 تھا؟“

بھکاری نے جواب دیا: ”ہاں! میں وہی شخص ہوں۔“
 حاجی نے دریافت کیا: ”پھر کس چیز نے تجھے اس ناگفتہ بہ حالت میں لا پہنچایا
 ہے؟“

بھکاری نے جواب دیا: تَكَبَّرْتُ فِي مَكَانٍ يَتَوَاضَعُ فِيهِ الْعُظَمَاءُ
 فَأَذَلَّنِي اللَّهُ فِي مَكَانٍ يَتَعَالَى فِيهِ الْأَذِلَّةُ .

”میں نے اس جگہ کبر و نخوت کو اختیار کیا جہاں متقی و پرہیزگار لوگ تواضع و انکساری
 اختیار کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس جگہ ذلیل و خوار کیا جہاں ذلیل و رسوا لوگ
 بڑے بنتے ہیں۔“

گستاخِ رسول کا انجام

عصر حاضر کا ایک واقعہ ہے جس کے راوی مصر کے ایک عالم شیخ احمد شاہ کر ہیں
 کہتے ہیں کہ مصر کے گورنر نے نابینا ادیب طہ حسین کو ایوارڈ سے نوازا اور اس کی عزت و
 تکریم کی تو جمعہ کی نماز میں ایک خطیب نے اس گورنر کی مدح سرائی شروع کی اس نے
 اپنے خطبہ کے اندر یہ الفاظ کہے:

جَاءَهُ الْأَعْمَى طَهَ حُسَيْنٍ فَمَا عَبَسَ بِوَجْهِهِ وَمَا تَوَلَّى .

”امیر کی خدمت میں نابینا طہ حسین آیا لیکن امیر نہ تو ترش رو ہوا اور نہ ہی منہ
 موڑا۔“

نماز جمعہ کے بعد فوراً شیخ احمد شاہ کر کے والد محترم شیخ محمد شاہ کر کھڑے ہوئے اور
 لوگوں سے کہا: ”اٹھیں اور اپنی نماز دہرائیں ان کی نماز نہیں ہوئی اور اب یہ نماز دوبارہ

پڑھنا واجب ہے کیونکہ خطیب نے رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔“

چونکہ خطیب کا اشارہ اس واقعہ کی طرف تھا جو مکہ میں پیش آیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کو دعوت دین پیش کر رہے تھے اتنے میں نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کسی مسئلہ کی دریافت کے لیے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آن پہنچے انہیں دیکھ کر آپ ﷺ کے چہرہ پر کچھ ناگواری کے آثار ظاہر ہو گئے کیونکہ آپ ﷺ قریش مکہ کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی ۔

”وہ ترش رو ہوا اور منہ موڑ لیا صرف اس لیے کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔“

شیخ احمد شاہ کز بیان کرتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے اس مجرم خطیب کو یونہی نہیں چھوڑا بلکہ اس دنیا میں بھی اس کا برا حشر کیا اور آخرت میں جو کچھ سزا تیار کر رکھی ہے وہ تو ہے ہی۔ اللہ کی قسم! میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہی خطیب جو چند سال پہلے عزت و شان کا مالک اپنے تئیں بڑے پن کا اظہار کرنے والا اور بڑے بڑے لوگوں کو بھی خاطر میں نہ لانے والا تھا اب وہ انتہائی ذلت و رسوائی کے ساتھ ایک حقیر نوکر بن کر قاہرہ کی ایک مسجد کے دروازے پر نمازیوں کے جوتوں کی حفاظت کر رہا تھا۔ ذلت و رسوائی اس کے چہرے سے ٹپک رہی تھی مجھے خود شرم آرہی تھی کہ کہیں وہ مجھے دیکھ نہ لے کیونکہ میں اس کو جانتا تھا اور وہ بھی مجھ سے واقف تھا۔ یہ منظر عجیب درس عبرت و موعظت تھا۔“ (سہرے اوراق)

خواجہ نظام الدین اور لوگوں کی دل جوئی

مولانا ضیاء الدین برنی (مصنف تاریخ فیروز شاہی) فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق سے چاشت تک آپ کی روح پرور جاں نواز باتیں سنتا رہا اس روز خاص طور پر بہت کثرت سے لوگ بیعت ہوئے۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ مشائخ مشق میں نے مرید کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ سلطان المشائخ نے اپنی فیاضی و عنایت سے اس کا اذن عام دے دیا ہے اور آپ عام و خاص سب کو مرید کر لیتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں اس بارے میں سوال کروں۔ سلطان المشائخ اپنے کشف سے میرے خطرے پر مطلع ہو گئے فرمایا:

”مولانا ضیاء الدین! تم ہر طرح کی باتیں پوچھتے ہو یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کے آنے والوں کو کیوں مرید کر لیتا ہوں؟“ یہ سن کر مجھ پر لرزہ سا طاری ہو گیا اور میں نے آپ کے قدم لے کر عرض کیا: ”ایک عرصہ سے میرے دل میں اشکال تھا آج بھی یہ وسوسہ آیا تھا اللہ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی۔“

آپ نے فرمایا: ”اب میں تمہارے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ میں مرید کرنے میں کیوں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیتا اور اپنا اطمینان نہیں کرتا۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں علی سبیل التواتر سن رہا ہوں کہ بہت سے مرید ہونے والے معصیت سے تائب ہو جاتے ہیں نماز باجماعت ادا کرنے لگتے ہیں اور ادائے نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں اگر میں بھی شروع ہی سے اس بات کی شرط کروں کہ ان میں ارادت کی حقیقت یعنی انقطاع کلی پایا جاتا ہے یا نہیں اور ان کو توبہ تبرک کا خرقہ (جو خرقہ ارادت کی جگہ پر ہے) نہ دوں تو وہ خیر کی اس مقدار سے بھی جو ان اللہ کے بندوں سے وجود میں آرہی ہے محروم ہو جائیں گے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بغیر اس کے کہ میرے دل میں خیال آئے یا میں اس کی

درخواست اور التماس کروں یا کوئی وسیلہ اور سفارش اختیار کروں۔ شیخ کامل وکس (شیخ کبیر خواجہ فرید الدین گنج شکر) نے مجھے بیعت لینے کی اجازت دی۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان بڑی عاجزی و درماندگی اور بڑی مسکنت و بے چارگی کے ساتھ میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی ہے یہ سمجھ کر کہ شاید اس کی بات سچ ہو اس کی بیعت کر لیتا ہوں۔ خاص طور پر اس لیے کہ بہت سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ بہت سے بیعت کرنے والے اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آ جاتے ہیں۔

(بحوالہ سیر الاولیاء ص: ۳۳۶ فارسی ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت و عزیمت: ۳: ۱۳۹-۱۴۱ طبع

لکھنؤ ۱۹۶۳ء تاریخ مشائخ چشت: ۱: ۶۷-۳۷۸ طبع ادارہ ادبیات دہلی)

☆..... منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ دوپہر کے وقت حجرے میں سوئے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک درویش آیا اس وقت کوئی چیز موجود نہ تھی۔ انہی مبارک نے اس درویش کو خالی واپس کر دیا اسی دوپہر کو خواب میں سلطان المشائخ نے فرید الحق والدین کو دیکھا۔ آپ نے خدمت کرنی چاہی لیکن شیخ کبیر نے فرمایا کہ اگر گھر میں کچھ نہ ہو تو آنے والے کی حسن رعایت سے دل جوئی کرنی چاہیے یہ کون ہے جو درویش کو خستہ دل واپس کرتا ہے جب آپ بے دار ہوئے تو انہی مبارک خادم کو بلا کر دریافت فرمایا: ”کیا یہاں کوئی آیا تھا؟“

جب تحقیق ہو گئی تو آپ خادم پر ناراض ہوئے اور فرمایا:

”آئندہ اگر کوئی آئے تو خواہ میں سویا ہوا ہوں مجھے جگا دیا کرو۔“

(سیر الاولیاء (مترجم) ص: ۱۱۵ ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء مرتبہ امیر خسرو)

☆..... سیر الاولیاء میں ہے: اکثر معمول تھا کہ جو لوگ باہر سے آتے وہ کوئی شرینی

کا تحفہ خرید کر اپنے ساتھ لاتے تھے اور پیش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ اسی ارادے سے آ رہے تھے۔ ایک مولوی صاحب بھی ساتھ تھے اس نے سوچا کہ لوگ مختلف تحائف پیش کریں گے اور اور اکٹھا حضرت کے سامنے رکھیں گے۔ خادم سب کو اٹھا کر لے جائے

گا۔ کیا پتہ چلے گا کہ کون کیا لایا۔ انہوں نے تھوڑی سی مٹی راستے سے اٹھا کر کاغذ میں باندھ لی جب سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہر ایک نے اپنی اپنی چیزیں لا کر سامنے رکھ دیں۔ مولوی صاحب نے بھی اپنی پڑیا سامنے رکھ دی۔ خادم وہ سب چیزیں اٹھا کر لے جانے لگا۔ پڑیا کو بھی اٹھانا چاہا۔ حضرت نے فرمایا:

”اس کو ہمیں چھوڑ دو یہ میری آنکھ کا سرمہ ہے۔“

یہ اخلاق و اعلیٰ ظرفی دیکھ کر ان عالم صاحب نے توبہ کی اور مرید ہو گئے۔

(تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم ص: ۱۰۸-۱۰۷)

اور مظلومہ کو اس کا حق مل گیا

اگرچہ یہ واقعہ پہلے بھی گزر چکا ہے لیکن اب ابن جوزی کے قلم سے بھی پڑھ لیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت سیدنا عمر بن ہبیان بن سعید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ اسلام کے نامور قاضی حضرت سیدنا شریک رضی اللہ عنہ کمرہ عدالت میں مسند قضا پر جلوہ فرماتے تھے اتنے میں ایک عورت حاضر خدمت ہوئی اور اس طرح فریاد کی: ”میں پہلے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں پھر قاضی کی مجھ مظلومہ کو میرا حق دلوا یا جائے۔“

قاضی شریک رضی اللہ عنہ اس عورت کی فریاد سن کر بے چین ہو گئے اور فرمایا: ”بلا جھجک بتاؤ تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟“

کہا: ”امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے۔ دریائے فرات کے کنارے میرا کھجوروں کا ایک باغ ہے جو ہمیں وراثت میں ملا ہے میں نے اپنے بھائیوں سے اپنا حصہ علیحدہ کر کے درمیان میں دیوار تعمیر کروادی اور ایک فارسی شخص کو اس کی نگہبانی کے لیے مقرر کر دیا۔ امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے میرے بھائیوں سے ان کے حصہ کا تمام باغ خرید لیا پھر اس نے مجھے بھی اپنا حصہ بیچنے کو کہا اور خطیر (بہت) رقم کا لالچ دیا میں نے اپنا حصہ بیچنے سے انکار

کر دیا اس نے کل رات پانچ سو آدمی بھیج کر اس دیوار کو گروا دیا۔ میں نے صبح جا کر دیکھا تو دیوار بالکل ختم کر دی گئی تھی اور اب میرے اور میرے بھائیوں کے درختوں میں کوئی نشانی باقی نہ رہی۔ خدارا! مجھے انصاف دلائیے۔“

اس مظلومہ کی فریاد سن کر وہ عظیم قاضی بے تاب ہو گیا اور خادم کو حکم فرمایا: ”مٹی اور مہر لاؤ۔“

پھر مہر لگا کر حکم نامہ اس عورت کے سپرد کر دیا اور کہا: ”تم امیر موسیٰ بن عیسیٰ کے پاس جاؤ اور یہ حکم نامہ دے کر کہو: ”قاضی صاحب کی عدالت میں حاضر ہو جاؤ۔“

چنانچہ وہ عورت حکم نامہ لے کر موسیٰ بن عیسیٰ کی رہائش گاہ پر پہنچی اور اس کے دربان کو قاضی صاحب کا پیغام دیا۔ دربان حکم نامہ لے کر موسیٰ بن عیسیٰ کے پاس گیا اور کہا: ”آپ کے خلاف قاضی شریک کی عدالت میں دعویٰ کیا جا چکا ہے، آپ کو عدالت میں طلب کیا گیا ہے۔ یہ دیکھیے! قاضی صاحب کی طرف سے مہر شدہ حکم نامہ آیا ہے۔“

موسیٰ بن عیسیٰ نے دربان سے کہا: ”جاؤ اور شہر کے پولیس آفیسر کو ہمارے پاس بلا لاؤ۔“

جب پولیس افسر آیا تو کہا: ”تم قاضی شریک کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم سے زیادہ عجیب معاملہ میں نے کسی کا نہیں دیکھا۔ ایک عورت نے مجھ پر ناحق دعویٰ کیا اور تم اس کے دعوے پر مجھے عدالت میں طلب کر کے اس کی مدد کر رہے ہو۔“

پولیس افسر نے ڈرتے ہوئے کہا: ”حضور! مجھے اس معاملے سے دور ہی رکھیں تو بہتر ہوگا۔“ امیر نے غضب ناک ہو کر کہا: ”جاؤ اور ہمارے حکم پر عمل کرو۔“

مجبوراً اسے جانا ہی پڑا۔ جاتے ہوئے اس نے اپنے غلاموں سے کہہ دیا کہ میرے لیے جیل میں بستر وغیرہ کا انتظام کر دو۔ آج میں ضرور جیل بھیج دیا جاؤں گا۔ پولیس افسر کو معلوم تھا کہ اسلام کا یہ انصاف پسند قاضی ایک مجرم کا پیغام لانے پر مجھے ضرور قید میں ڈال دے گا جب پولیس افسر نے قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کو امیر موسیٰ بن عیسیٰ کا پیغام دیا تو قاضی

صاحب نے سپاہی کو حکم دیا: ”اسے گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دو۔“

افسر نے کہا: ”خدا کی قسم! مجھے معلوم تھا کہ آپ ایسا ہی کریں گے اس لیے جیل میں

جانے کے لیے پہلے ہی انتظام کر کے آیا ہوں۔“

جب امیر موسیٰ بن عیسیٰ کو اپنے پولیس افسر کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو اس نے دربان کو

بلا کر قاضی صاحب کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا: ”آپ نے ہمارے قاصد کو گرفتار کر لیا

اس نے تو صرف پیغام پہنچایا تھا اس کا قصور کیا ہے؟“

پیغام پا کر قاضی صاحب نے حکم دیا: ”اسے بھی اس کے ساتھی کے پاس پہنچا دو۔“

چنانچہ اسے بھی قید کر لیا گیا۔ موسیٰ بن عیسیٰ کو اپنے دربان خاص کی گرفتاری کی

اطلاع بھی پہنچ گئی اس نے عصر کی نماز کے بعد کوفہ کے بااثر اور نمایاں لوگوں کے گروہ جن

میں قاضی صاحب کے دوست اسحاق بن صباح اشعشی بھی شامل تھے کو پیغام بھیجا کہ جاؤ

قاضی صاحب کو میرا سلام کہنا اور انہیں آگاہ کر دینا کہ آپ نے میری بے عزتی کی ہے

میں کوئی عام آدمی نہیں۔ کوفہ کے بااثر لوگوں کی یہ جماعت قاضی صاحب کے پاس آئی تو

انہیں مسجد میں پایا۔ ان لوگوں نے سلام و آداب کے بعد امیر کا پیغام سنانا شروع کیا جیسے

ہی ان کا کلام ختم ہوا فرمایا: ”کیا بات ہے کہ میں تمہیں ایک ایسے شخص کی طرف داری میں

کلام کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جو حق پر نہیں“

پھر آپ ﷺ نے باواز بلند فرمایا: ”کیا یہاں قبیلے کے جوان موجود ہیں؟ اگر ہوں

تو جلدی سے آجائیں“

تھوڑی ہی دیر میں چند نوجوان آگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایک ایک کا ہاتھ پکڑو

اور جیل پہنچا دو۔ خدا کی قسم! آج کی رات یہ لوگ جیل میں گزاریں گے۔“

کہا: ”کیا آپ سچ سچ ہمیں جیل بھجوا رہے ہیں؟“

فرمایا: ”ہاں! واقعی میں تمہیں جیل بھجوا رہا ہوں تاکہ آئندہ تم کسی ظالم کی طرف

داری کرتے ہوئے اس کا پیغام نہ لاؤ۔“

امیر موسیٰ بن عیسیٰ کو ان کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو بہت غضب ناک ہوا اور خود جا کر جیل کا دروازہ کھولا اور سب کو رہا کر دیا۔ صبح جب انصاف پسند جرات مند قاضی کمرہ عدالت میں جلوہ گر ہوا تو داروغہ جیل نے گزشتہ رات کا تمام واقعہ کہہ سنایا۔ قاضی صاحب نے رجسٹر منگوا کر مہر لگائی اور تمام ریکارڈ گھر بھجوا کر غلام کو نہری لانے کا حکم دیا اور کہا:

”اب ہم کوفہ میں نہیں رہیں گے، خدا کی قسم! ہم نے امیر المومنین سے یہ عہدہ طلب نہیں کیا تھا بلکہ ہمیں تو مجبور کیا گیا تھا اور ہماری حفاظت و سرپرستی کی ذمہ داری لی گئی تھی اب کوفہ میں انصاف قائم کرنا مشکل ہو گیا ہے لہذا مجھے یہ عہدہ نہیں چاہیے۔“

یہ کہہ کر آپ ﷺ کوفہ کے اس پل کی طرف چل دیئے جو بغداد جاتا تھا جب موسیٰ بن عیسیٰ کو قاضی صاحب کے جانے کی اطلاع ملی تو وہ فوراً آپ ﷺ کی طرف دوڑا اور اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتے ہوئے کہا: ”اے عبداللہ! رُک جائیں۔ خدا را! آپ بغداد نہ جائیں دیکھیں تو سہی کہ آپ نے اپنے ہی بھائیوں کو قید کر دیا تھا۔“

فرمایا: ”ہاں! جب انہوں نے ایک ایسے معاملے میں دخل اندازی کی جس کی انہیں اجازت نہ تھی تو میں نے انہیں قید کر دیا لیکن تم نے انہیں آزاد کر دیا جب تک وہ سب کے سب واپس جیل میں نہ بھیج دیئے جائیں میں ہرگز واپس نہیں جاؤں گا اور بغداد جا کر امیر المومنین کی طرف سے دی جانے والی اس ذمہ داری سے استعفیٰ دے دوں گا۔“

امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے قاضی صاحب کا یہ پُر عزم فیصلہ سنا تو سپاہیوں کو حکم دیا کہ جن جن کو میں نے رہا کیا تھا ان سب کو واپس جیل بھیج دیا جائے۔ حکم پاتے ہی سپاہی شہر کی طرف چلے گئے لیکن قاضی صاحب ۱۶۱ جگہ کھڑے رہے جب داروغہ جیل نے آکر اطلاع دی کہ ان تمام کو جیل میں تاج دیا گیا ہے تب آپ وہاں سے واپس پلٹے۔

امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے اپنے ایک غلام سے کہا:

”قاضی صاحب کی سواری کی لگام پکڑ کر آگے آگے چلو۔“

چنانچہ وہاں موجود تمام لوگ اور امیر موسیٰ بن عیسیٰ قاضی صاحب کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ مسجد میں پہنچ کر قاضی صاحب نے مجلس قضا قائم کی امیر موسیٰ بن عیسیٰ کو مظلوم عورت کے برابر کھڑا کیا اور عورت سے فرمایا: ”جس پر تم نے دعویٰ کیا تھا وہ تمہارے سامنے موجود ہے۔“

امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے کہا: ”اے انصاف پسند قاضی! اب میں خود حاضر ہوں لہذا میری وجہ سے قید کیے جانے والوں کو آزاد کیا جائے۔“ فرمایا: ”ہاں! اب انہیں آزاد کیا جاتا ہے۔“

یہ کہہ کر ان کی رہائی کا پروانہ جاری کر دیا اور فرمایا: ”اے موسیٰ بن عیسیٰ! اس عورت نے تم پر جو دعویٰ کیا ہے اس بارے میں کیا کہتے ہو؟“ کہا: ”یہ سچ کہتی ہے۔“ فرمایا: ”وہ تمام چیزیں جو اس سے لی گئی تھیں اسے واپس کی جائیں اور جو دیوار گرائی گئی تھی اسے فوراً تعمیر کروایا جائے۔“

امیر نے کہا: ”ٹھیک ہے میں ابھی یہ کام کروا دیتا ہوں۔ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی دعویٰ ہے؟“ قاضی صاحب نے اس عورت سے پوچھا: ”کیا تمہارا کوئی اور دعویٰ ہے؟“ کہا: ”ہاں! میرے فارسی خادم کا گھر بھی گر ادیا گیا ہے اور اس کا سامان بھی ٹوٹ پھوٹ گیا ہے۔“ امیر نے کہا: ”میں اس نقصان کا بھی ازالہ کیے دیتا ہوں۔“

قاضی صاحب نے پھر پوچھا: ”کیا کوئی اور دعویٰ باقی ہے؟“ عورت نے کہا: ”اب میرا کوئی دعویٰ باقی نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اچھی جزا عطا فرمائے۔“ پھر وہ عورت دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔

اب حق ظاہر ہو گیا تھا اور مظلوم کو اس کا حق مل چکا تھا چنانچہ قاضی صاحب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور امیر موسیٰ بن عیسیٰ کا ہاتھ تھام کر اپنی نشست پر بٹھایا خود اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا: ”اے امیر! اے موسیٰ بن عیسیٰ! السلام علیکم! شرعی فیصلہ ہو گیا ہے اب آپ امیر ہیں میرے لائق کوئی حکم ہو تو ارشاد فرمائیں۔“

امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے ہنستے ہوئے کہا: ”اب آپ کو کیا حکم دوں؟“
پھر اسلام کے اس عظیم قاضی کی عدالت سے چلا گیا۔ (عیون الحکایات)

شہیدِ راہِ وفا

بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ ہارون رشید نے محمد بطل (بہادر) اسے اس واقعہ عجیب و غریب تر کے بارے میں پوچھا جو بلا دروم میں ان کو پیش آیا تھا۔ محمد بطل نے جواب دیا کہ میں روم کی چراگا ہوں میں سے ایک چراگاہ میں جا رہا تھا ٹوپی میرے سر پر اور کتاب اللہ میری گردن میں تھی اور سر نیچے کیے ہوئے تھا کہ میں نے اپنے پیچھے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی اور میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سوار ہتھیار بند ہے اور نیزہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ وہ مجھ سے قریب ہوا اور مجھے سلام کیا۔ میں نے اس کے سلام کا جواب دیا اس نے مجھ سے کہا: ”کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس کو بطل کہتے ہیں۔“

میں نے اس سے کہا: ”بطل تو میں ہی ہوں۔“

پس وہ اپنے گھوڑے سے اتر اور مجھ سے معاف کیا اور میرے پاؤں چومے۔ میں

نے اس سے کہا: ”تم یہ کیوں کرتے ہو؟“

اس نے کہا: ”میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہاری خدمت کروں۔“

میں نے اس کو دعادی چنانچہ ہم اسی حالت میں تھے کہ ناگاہ ہماری جانب چار سوار

آتے دکھائی دیئے۔ میرے ساتھی نے مجھ سے کہا:

”مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں ان کی طرف نکلوں۔“

میں نے اس سے کہا: ”ہاں! چنانچہ تھوڑی دیر تک وہ یا ہم ایک دوسرے کو دفع

کرتے رہے اس کے بعد ان سواروں نے میرے ساتھی کو مار ڈالا پھر میری طرف متوجہ

ہوئے اور مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے کہا: ”اگر تم لوگ مجھ سے لڑنا چاہتے ہو تو اتنی مہلت دو کہ میں اپنے ساتھی کے ہتھیاروں سے مسلح اور اس کے گھوڑے پر سوار ہوں۔“

ان سواروں نے کہا: ”تجھ کو اتنی مہلت ہے۔“

اس کے بعد میں نے ہتھیار پہنے اور گھوڑے پر سوار ہوا پھر میں نے کہا: ”تم چارہو میں اکیلا ہوں۔ انصاف یہ ہے کہ میرے لیے تم میں سے ایک ایک شخص کو نکلنا چاہیے۔“ چنانچہ ان میں سے ایک آدمی نکلا یا امیر المومنین! میں نے اس کو مار ڈالا اس کے بعد دوسرا نکلا میں نے اس کو بھی قتل کیا پھر تیسرا آیا اس کو بھی میں نے مار ڈالا اس کے بعد چوتھا نکلا تو ہم نیزوں کے ساتھ ایک دوسرے کو ہٹاتے رہے یہاں تک کہ میرا نیزہ اور اس کا نیزہ دونوں ٹوٹ گئے پھر ہم اپنے گھوڑوں سے اترے اور ہم دونوں نے اپنی اپنی ڈھال اور تلواریں لیں۔ چنانچہ ہم ایک دوسرے کو دفع کرتے رہے حتیٰ کہ میری ڈھال اور اس کی ڈھال دونوں ٹوٹ گئیں اور ہم دونوں کی تلواروں کے قبضے الگ الگ ہو گئے اور وہ ٹوٹ کر زمین پر گر پڑے پھر ہم نے باہم کشتی کی یہاں تک کہ ہم نے شام کر دی اور آفتاب ڈوب گیا نہ وہ مجھ پر قادر ہوا اور نہ میں نے اس پر قابو پایا اس کے بعد میں نے اس سے کہا: ”اے شخص! میرے دین میں جو نماز فرض ہے وہ آج مجھ سے فوت ہو گئی۔“ اس نے کہا: ”میں بھی ایسا ہی ہوں۔“

وہ نصاریٰ کا پیشوا اور پادری تھا۔ میں نے کہا:

”کیا تم سے ہو سکتا ہے کہ تم واپس جاؤ حتیٰ کہ ہم اپنی فوت شدہ نمازیں قضا کریں اور رات میں آرام کریں جب صبح ہو تو اپنی لڑائی کی جانب واپس آئیں۔“

اس نے کہا: ”تیرے لیے اس کا اختیار ہے اس کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کی اور اپنی نماز قضا کی۔ اس نے بھی جو کرنا تھا کیا جب سونے کا وقت ہوا تو اس نے مجھ سے کہا: ”تم گروہ عرب سے ہو تم میں بے وفائی ہے میرے کانوں میں دو جھانجھ (ایک قسم کا زیور ہے جو حرکت کرنے سے بچتا ہے) ہیں ان میں سے ایک جھانجھ کو اپنے

کان میں لٹکا لو اور اپنا سر اس پر رکھو اگر تم حرکت کرو گے تو تمہارا جھانجھ بے گاہ اور میں جاگ جاؤں گا۔“

میں اس پر راضی ہو گیا۔ چنانچہ ہم اسی حالت پر سوئے اور رات گزاری جب صبح ہوئی تو میں نے اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کی اور اپنی فرض نماز ادا کی اور اس کے بعد ہم کشتی لڑے اور میں نے اس کو پچھاڑا اور اس کے سینہ پر بیٹھنا چاہا کہ اس کو ذبح کر دوں۔ اس نے کہا: ”اس مرتبہ مجھے معاف کر دو۔“

میں نے چھوڑ دیا پھر ہم دوسری مرتبہ کشتی لڑنے میرا پاؤں پھسل گیا اور اس نے مجھے پچھاڑ دیا وہ میرے سینے پر چڑھ بیٹھا اور مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ پس میں نے کہا: ”میں نے تم کو معاف کیا ہے کیا تم مجھے معاف نہ کرو گے؟“

اس نے مجھے چھوڑ دیا اس کے بعد ہم تیسری مرتبہ لڑے اور چونکہ میرا دل ٹوٹ چکا تھا اس لیے اس نے مجھے اس مرتبہ بھی پچھاڑ دیا اس اور میرے سینہ پر بیٹھ کر مجھے ذبح کرنا چاہا۔ پس میں نے اس سے کہا: ”ایک مرتبہ ایک مرتبہ کے بدلے تھا اب تم اس مرتبہ سے مجھ پر احسان کرو۔“ اس نے کہا: ”تیرے واسطے یہ بھی منظور ہے۔“

پھر ہم نے چوتھی بار کشتی کی لیکن اس نے اس مرتبہ بھی مجھے گرا دیا اور کہا: ”میں نے اب پہچانا کہ تو بطلال ہے میں تجھ کو ضرور ذبح کروں گا اور زمین روم سے تجھ کو آرام دوں گا۔“ میں نے کہا: ”اگر میرے رب نے چاہا تو تو ہرگز مجھے قتل نہیں کر سکتا۔“

اس نے کہا: ”اپنے رب سے کہو کہ وہ مجھے روکے۔“ اور اس نے خنجر اٹھایا تاکہ مجھے ذبح کرے۔ پس یا امیر المؤمنین میرا مقتول ساتھی کھڑا ہوا اور تلوار اٹھا کر اس کا سر اڑا دیا اور یہ آہ کریمہ پڑھی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتًا ۗ أَلَيْسَ

”جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو تم مردہ نہ خیال کرو تا آخر“

(انوار مجبوی ترجمہ تواتر القلیوبی)

امام حسن بصری کا کلمہ حق

عمر بن ہبیرہ جب یزید بن عبد الملک بادشاہ دمشق کی طرف سے عراق و خراسان کا گورنر بن کر آیا تو اس نے خواجہ حسن بصری و امام محمد بن سیرین امام شعی کو اپنے دربار میں طلب کیا اور ان علمائے حق کے سامنے یہ تقریر کی کہ یزید بن عبد الملک کو خداوند عالم نے اپنے بندوں پر خلیفہ مقرر فرمایا ہے اور مجھ کو خلیفہ کی طرف سے گورنری کا عہدہ ملا ہے لہذا مجھے خلیفہ کی طرف سے جو حکم ملتا ہے میں بلا چون و چرا اس کی تعمیل کرتا ہوں اس بارے میں آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟ گورنر کی اس پولیٹیکل گفتگو کا خواجہ حسن بصری نے جو ساف اور سچا جواب دیا ہے وہ انتہائی عبرت انگیز ہے۔ آپ۔ ارشاد فرمایا: ”اے ابن ہبیرہ تو یزید بن عبد الملک کے بارے میں خدا سے ڈر اور خدا کے بارے میں ہرگز ہرگز یزید بن عبد الملک کا خوف مت کر کیونکہ خداوند تعالیٰ تجھ کو دونوں جہان میں یزید بن عبد الملک کے شر سے بچا سکتا ہے مگر یزید بن عبد الملک خدا کے قہر و عذاب سے تجھ کو ہرگز ہرگز نہیں بچا سکتا ہے۔ یاد رکھ وہ قہار و جبار عنقریب تیرے پاس ملک الموت کو بھیجے گا جو تجھ کو تیرے وسیع گورنمنٹ ہاؤس اور شان دار تخت سے یک لخت اندھیری اور تنگ قبر میں پہنچا دے گا۔ وہاں تجھ کو بجز تیرے اعمال کے کوئی کام آنے والا نہیں ہے لہذا تو خدا کے فرمان کے خلاف کسی بادشاہ کے حکم سے جسارت مت کر کیونکہ خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی فرماں برداری ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔“ حسن بصری کی اس ولولہ انگیز اور ہدایت افروز تقریر کو سن کر گورنر ایک عالم ربانی کی مجاہدانہ جرأت پر محو حیرت ہو کر خاموش ہو گیا اور تینوں علمائے حق دربار سے اٹھ کر اپنے گھر چلے گئے۔

(ابن خلکان ج ۱ ص ۱۲۸)

مٹی کا اثر

ایک صاحب کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ سفر کے دوران راستہ بھٹک گیا، چلتے چلتے بیابان میں مجھے ایک گھر نظر آیا، میں اس گھر کے پاس پہنچا تو ایک اعرابیہ (دیہاتی خاتون) گھر کے اندر تھی اس نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا: ”تم کون ہو؟“ میں نے جواب دیا: ”مہمان!“

اعرابیہ نے میرے لیے کھانا حاضر کیا اور میں نے کھانا تناول کیا ابھی میں پانی پی رہا تھا کہ اتنے میں اس کا شوہر آیا اور پوچھا: ”یہ کون ہے؟“ عورت نے جواب دیا: ”مہمان“

شوہر نے کہا: لا اھلا ولا مرحبا۔ ”مہمان کا آنا مبارک ہو“ ہمیں مہمان کی مہمان نوازی سے کیا واسطہ؟ میں نے جب اعرابیہ کے شوہر کی یہ بات سنی تو اسی وقت اپنا راستہ لیا اور چل پڑا۔ دوسرے دن بیابان ہی میں ایک جگہ دوسرا گھر نظر آیا۔ میں نے اس گھر کا رخ کیا، گھر کے دروازے پر پہنچا تو وہاں ایک اعرابیہ تھی اس نے پوچھا: ”تم کون ہو؟“ میں نے جواب دیا: ”مہمان“ اس نے کہا: ”لا اھلا ولا مرحبا بالضيف۔“

”مہمان کے لیے کوئی گنجائش نہیں اس کی آمد مبارک ہو۔“

اتنے میں اس کا شوہر آن پہنچا جب اس نے مجھے دیکھا تو پوچھا:

”یہ کون ہے؟“ عورت نے جواب دیا: ”مہمان ہے۔“

اس نے بڑے پر تپاک انداز میں میرا استقبال کیا اور گویا ہوا:

مرحبا و اھلا بالضيف۔ ”مہمان کا آنا مبارک ہو یہ اپنا ہی گھر سمجھو۔“

پھر اس نے میرے لیے عمدہ اور لذیذ کھانا حاضر کیا اور میں نے مزے سے تناول

کیا۔ مجھے گزشتہ کل کا واقعہ یاد آ گیا تو یکا یک میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھا گئی۔
میزبان نے دریافت کیا: ”کیوں مسکرارہے ہو؟“ میں نے جواباً گزشتہ کل کا قصہ اس
کے گوش گزار کیا اور جو کچھ اعرابیہ اور اس کے شوہر کی گفتگوسنی تھی وہ بتائی۔
میزبان نے مجھ سے کہا: ”بھئی! تعجب مت کرو جس عورت کو کل تم نے دیکھا تھا وہ
میری بہن تھی اور اس کا شوہر میری اس بیوی کا بھائی ہے اس لیے فطری اعتبار سے یہ
دونوں ایک ہی مٹی سے بنے ہیں۔“ (سنہرے اوراق)

مشائخِ چشت اہل بہشت اور مخلوق کی دل جوئی

آپ (حضرت محبوب الہی) نے شیخ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بیان کرتے ہوئے
فرمایا: ”اگر کوئی شخص ان کے پاس آتا اور کھوٹا درہم دے کر جو کچھ ان کے پاس پکا ہوتا
اسے خریدنا چاہتا تو وہ اس سے درہم لے لیتے اگرچہ انہیں پتہ ہوتا تھا کہ درہم کھوٹا ہے
لیکن وہ خریدار کے منہ پر کچھ نہ کہتے۔ نیز جو کھر اور ہم لاتا اسے بھی اسی طرح پورا سالن
دیتے حتیٰ کہ لوگوں کو گمان ہونے لگا کہ یہ کھوٹے اور کھرے سکے میں امتیاز ہی نہیں کر
سکتے چنانچہ بہت سے لوگ آتے اور انہیں کھوٹے درہم دیتے۔ جنہیں وہ کھرا سمجھ کر لے
لیتے مگر ان پر ظاہر نہ کرتے اور انہیں سالن دے دیتے جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو
انہوں نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور کہا: ”اے خداوند تعالیٰ! تو دوسروں سے زیادہ
آگاہ ہے کہ لوگ مجھے کھوٹے درہم دیتے تھے اور میں انہیں کھرا سمجھ کر قبول کر لیتا اور ان کو
رد نہ کرتا تھا اگر مجھ سے بھی کھوٹی عبادت عمل میں آئی ہے تو تو اسے اپنی عنایت سے قبول
فرما لینا اور اس کو رد نہ کرنا۔“ (فوائد الفوائد: ۹۷-۹۸)

☆..... میر خیر الدین اور میر شفیق الدین دونوں صالح اور متقی ہیں نہایت عزت دار
اور فن سپہ گری میں ماہر۔ رات دن مولانا خواجہ فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

حاضر رہتے ہیں اور ان سے خاص خدمتیں متعلق ہیں۔ حضرت اگر کہیں تشریف لے جاتے تو کسی کو بہت کم ساتھ لے جاتے مگر یہ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے اور دعوت کے متعلق حضرت کا یہ اصول تھا کہ جو کوئی آپ کو تنہا بلاتا تو آپ اکیلے تشریف لے جاتے اور اگر ساتھیوں کی تعداد مقرر کر دیتا تو اتنی تعداد مقرر کرتا آپ اتنے ہی آدمیوں کو ساتھ لے جاتے یا راستے میں لوگوں سے یہ مادیتے: ”تم جاؤ مجھے فلاں جگہ تنہا جانا ہے۔“

یاد وہی صاحب ساتھ باتے اور دعوت کھانے کے لیے جانے کو دل سے برا جانتے تھے۔ تاہم جب کوئی ایسی درخواست کرتا تو قبول فرما لیتے اور بلانے والے کی خواہش کو اپنی خواہش پر مقدم رکھتے اور ہر معاملے میں مولانا (خواجہ صاحب) کا یہی طریقہ تھا مگر جہاں تکلف نہ ہوتا وہاں بخوشی تشریف لے جاتے اور ذوق شوق سے بیٹھتے۔ شادی میں بھی برابر شرکت فرماتے شادی میں طلی پر اور غمی میں بغیر بلائے تعزیت کے لیے جاتے اور اپنے ملنے والوں کی جنازے کی نماز کو کبھی فراموش نہ فرماتے اگر ملنے والوں میں ایسا کوئی انتقال کرتا جس کے مکان پر کوئی نہ ہوتا تو اس کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھ کر آتے جس سے صرف سلام دعا ہوتی اس کے ساتھ بھی حضرت مولانا کا یہی عمل ہوتا اور یہ ہم لوگوں کی تربیت کے لیے ہوتا اور اگر ملنے والوں میں کوئی غریب و محتاج ہوتا اور اس کے یہاں شادی ہوتی یا غمی تو اس کی دل جوئی کے لیے بار بار تشریف لے جاتے اور احباب سے فرماتے کہ اس غریب کی دل جوئی کے لیے ضرور جانا چاہیے اور جن لوگوں سے ربط ضبط ہوتا وہاں جانے کے لیے اصرار فرماتے تاکہ اس کا غمگین دل کچھ بہل جائے، مطمئن ہو جائے آخر وہ خوش ہو جاتا۔

(فخر الطالین ملفوظات شاہ فخر الدین دہلوی مرتبہ سید نور الدین حسین ص ۵۲-۵۳)

غریب نوازی و توسل پروری

غریب نوازی اور توسل پروری ایسی تھی کہ حاضر و غائب سب کی حالت پر نظر رہتی جو لوگ عادت کے موافق آتے جاتے اگر ان کو کبھی دیر ہو جاتی تو خود ان کے لیے کوئی نہ

کوئی انتظام کر دیتے۔ پیر محمد سرکاری خاک روب تھے انہیں دو دن گزر گئے نہیں آسکا تو خود یا کسی دوسرے کو معلوم کرنے کے لیے بھیج دیا اور فرمایا کہ دو دن سے یہاں پیر محمد نظر نہیں آئے، خیر تو ہے کیا بات ہے؟ معلوم ہوا بیمار ہے اسی وقت اٹھے اور اس کے مکان پر گئے بہت مہربانی سے پیش آئے۔ حال دریافت کر کے کچھ نقد رقم اس کو مرحمت فرمائی اور سید احمد سے کہا کہ سرکاری دوا خانہ سے دوا آنا چاہیے اور کہا کہ سرکاری طبیب میر حسین صاحب سے ان کا باضابطہ علاج کرایا جائے پھر اس طرح عیادت فرمائی۔ میاں پیر محمد تم دو دن سے نہیں آئے تمہاری خیریت دریافت کرنے میں تاخیر ہوگئی، معاف کرنا۔ اتنے بڑے بزرگ ہو کر یہ اخلاق برتنا آپ ہی کے شایان شان ہے۔

شاہ فخر الدین دہلوی غریبوں کی دعوت ہمیشہ قبول فرما لیتے اور تشریف لے جاتے۔ اتفاق سے اگر دن میں کئی جگہ دعوت ہوتی اور مکان دور ہوتا تو کھانے کی رغبت چاہے ہوتی یا نہ ہوتی مگر ضرور جاتے یعنی کسی کی دل شکنی نہ فرماتے اخلاقاً کم سے کم دو ہی لقمے کھا لیتے جس سے کھانے میں برکت ہو جاتی۔ اخلاق کی ان ہی بلند یوں کو دیکھ کر مناقب فخریہ کا مصنف بے اختیار پکارا اٹھتا ہے۔

بہ دہلی منظر ماہ حجازی
تو گوئی نائب شاہ حجازی

(۱) مناقب فخریہ مؤلفہ غازی الدین خان نظام ص: ۲۳۶، دص: ۲۳۹ مناقب فخریہ (فارسی)

(ص: ۱۹)

دین را بہ دنیا مفروش

حضرت قبلہ قدس سرہ (شاہ سلیمان تونسوی) نے فرمایا:

”حضرت اورنگ آبادی قدس سرہ کی خانقاہ مبارک کے دس دروازے تھے ہر دروازہ پر دو نشی بیٹھے رہتے تھے جو حاجت مند آتا اس کی حاجت کو لکھ کر اسے دیتے۔ نیز فرمایا کہ حضرت اورنگ آبادی قدس سرہ کی دو مہریں تھیں ایک مہر کا بیج مبارک یہ تھا: ذکر مولیٰ از

ہمہ اولیٰ

اور دوسری مہر کا سچ مبارک یہ تھا

اے نظام در رعایت دلہا بکوش
دین را بہ دنیا مفروش
فرمایا کہ محبوب الہی قدس سرہ نے فرمایا: ”مجھے واقعہ میں یہ شعر دیا گیا ہے
مے کوش کہ راحتے بجانے برسد
یادست شکستہ بنانے برسد

زائرین کے ساتھ حسن سلوک

شیخ نظام الدین اورنگ آبادی لوگوں کی دل گیری کو اپنا اولین فرض تصور کرتے
تھے۔ ہر شخص سے خواہ آشنا ہو یا بے گانہ ایک ہی طریقہ سے ملتے تھے۔ لکھا ہے ہر شخص کی
تعظیم کے لیے وہ سر و قد کھڑے ہو جاتے تھے اور اس کی تعظیم بجالاتے تھے۔ حد یہ ہے کہ
چار سال کے بچے کے ساتھ بھی وہی طریقہ اختیار کرتے تھے جو ستر سال کے بوڑھے یا
اکابر و فضلاء کے لیے اختیار کیا کرتے تھے۔

ہر آنے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے اگر کچھ نہ ہوتا تو عطر ہی عنایت فرما دیتے
تھے جب تک لوگ ان کے پاس رہتے وہ دوزانوں بیٹھے رہتے چار زانوں بیٹھے ہوئے
ان کو کسی شخص نے نہیں دیکھا جب کوئی کتاب مجلس میں پڑھی جاتی تھی تو حکم ہوتا تھا کہ
سب حاضرین بالکل خاموش بیٹھیں۔ دل گیری کو انہوں نے مقصد حیات بنا لیا تھا۔ کسی
شخص کو رنجیدہ کرنا یا اس کے جذبات کو ٹھیس لگانا انہیں نہیں آتا تھا:

(۱) نافع السالکین ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی مترجم ص: ۲۲۰

(۲) تاریخ مشائخ چشت ج: ۵ ص: ۱۶۸-۱۶۹ (بحوالہ مکملہ سیر الاولیاء)

☆..... ایک فقیر صاحب حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے

حسب معمول حاضر ہوئے اور اپنے کمالات کا اظہار کرنے لگے۔ آخر کار یہاں تک کہ

دیا:

”میں توجہ کے شغل سے بہت واقف ہوں اور میری توجہ میں بڑی تاثیر ہے اگر نسبت کا ذوق ہے تو مجھ سے تربیت حاصل کر لو اور میں تمہارے لیے کبھی دریغ نہ کروں گا۔“

چونکہ اخلاق حضرت کا شیوہ تھا اس لیے اس کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھ گئے اور اس نے توجہ دینا شروع کر دی۔ آپ کے دوستوں کو یہ بات بہت ناگوار تھی روزانہ یہی ہوتا تھا لیکن حضرت صاحب کی وجہ سے لوگ کچھ کہہ سکتے یہاں تک کہ اسی طرح دو سال گزر گئے اس بے وقوف کو خوش کرنے کے لیے حضرت صاحب اپنی عادت میں فرق نہ لائے۔ ادب سے اس کے سامنے بیٹھے رہتے اور وہ فقیر صاحب انتہائی مسرت و فخر سے جگہ جگہ کہتے پھرتے کہ فلاں بزرگ مجھ سے توجہ لیتے ہیں اور اچھی گزار رہے ہیں۔ اتنے میں میاں عبدالقادر سفر سے واپس آ گئے اور حضرت صاحب کی خدمت میں کچھ روز رہے جو لوگ اس بے وقوف کی حرکت سے ناخوش تھے انہوں نے سب قصہ عبدالقادر صاحب سے کہہ دیا کہ یہاں ایک صاحب آتے ہیں اور حضرت صاحب کو توجہ دیا کرتے ہیں اسی میں دو سال گزر گئے ہیں۔ حضرت صاحب بھی اس کے سامنے ادب سے بیٹھے رہتے ہیں اور ان توجہ دینے والے صاحب نے سب جگہ یہ مشہور کر رکھا ہے۔ عبدالقادر صاحب نے کہا: ”ذرا مجھے ان کا پتہ بتاؤ۔“ جب دوسرے دن حسب معمول وہ صاحب آئے دوستوں نے چپکے سے میاں عبدالقادر سے کہا: ”یہی وہ صاحب ہیں۔“

میاں عبدالقادر خانقاہ کے دروازے میں کھڑے ہوئے تھے جیسے ہی انہوں نے اس کو دیکھا وہ صاحب یک دم گھوڑے سے گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ میاں عبدالقادر صاحب چلے آئے اور حضرت صاحب کو خبر کی کہ جو صاحب توجہ دینے آیا کرتے تھے آج گھوڑے سے گر پڑے اور بے ہوش ہوئے ہیں۔ حضرت صاحب نے دریافت کیا: ”آخر ان کو کیا ہوا؟“

لوگ ان کو اٹھا لائے۔ آخر معلوم ہوا کہ میاں عبدالقادر کا یہ سارا کرشمہ ہے۔ حضرت صاحب بہت ناراض ہوئے اس واقعہ کے بعد ان فقیر صاحب کو بڑی شرمندگی ہوئی چپکے سے چلے گئے کچھ دن بعد حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خطاؤں کی معافی چاہی۔ حضرت صاحب نے فرمایا: ”نہیں! نہیں! کوئی بات نہیں! آپ کی ذات سے مجھے جو عقیدت تھی اب بھی وہی ہے۔“

اس کے بعد میاں عبدالقادر کا قصور بھی معاف ہو گیا مگر حضرت صاحب نے فرمایا: ”کسی کی دل شکنی کیوں کی جائے اگر میں تھوڑے دن اس طرح ان کے سامنے بیٹھ گیا تو اس میں کیا حرج ہوا۔“

(فخر الطالین۔ ملفوظات شاہ فخر دہلوی ص: ۱۲۳-۱۲۲ طبع کراچی)

دل بدست آور کہ حج اکبر است

کسی بندہ خدا کا دل توڑنا آپ کے مشرب میں گناہ تھا۔ صوفیہ صافیہ کا قدیم زمانہ سے شیخ سعدی کے اس مقولہ پر عمل رہا: ”آزردن دل دوستان جہن است و کفارہ یمن بہل“ (دوستوں کے دل کو دکھانا جہالت ہے اور قسم کا کفارہ ادا کر دینا آسان ہے) ایک مرتبہ آپ (شیخ شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمہ) نقلی روزہ رکھے ہوئے تھے ایک شخص بڑے اہتمام اور عقیدت و محبت سے آپ کی خدمت میں ایک تحفہ لایا اور کہا:

”میں بڑے شوق سے آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ آپ تناول فرمائیں۔“

آپ نے اسی وقت تناول فرمایا اور فرمایا: ”روزہ توڑنے کی قضا ہے لیکن دل

توڑنے کی قضا نہیں۔“ (ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت و عزیمت: ۲۱۴:۳ طبع لکھنؤ ۱۹۶۳ء)

یہی تو خوبی کی باتیں ہیں

عام اور خاص سب سے آپ (حضرت خواجہ محمد بن سیالوی رحمۃ اللہ علیہ) اس طرح ملتے

اور مہربانی سے پیش آتے کہ ہر ایک بجائے خود یہ سمجھتا تھا کہ مجھ جیسی محبت آپ سے کیا اور

سے نہیں ہوگی۔ وعدہ کی پابندی بہت تھی۔ ایک بار زبان مبارک سے اقرار کر لیں پھر خلاف نہیں ہوتا تھا۔ ہر کس و ناکس سے کچھ نہ کچھ سلوک ضرور کرتے۔ عجب ہی تو ہے کہ بیماری ہو ضعف ہونا تو آنی ہو آنے جانے والوں کے ساتھ اٹھ اٹھ کر بغل گیر ہوتے کئی دفعہ تو میں نے بھی دیکھا ہے کہ کان کا درد ہے اور کمزوری انتہا کی مگر ادھر کوئی آیا اور ادھر مہر خان کو ارشاد ہوا کہ مجھے اٹھا کر بٹھاؤ۔ دل شکنی جہاں تک ممکن تھا کسی کی گوارا نہ تھی۔ بعض اوقات اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ بات کرنی مشکل ہو رہی ہے اور لوگ دعا کے خواست گار ہیں۔ ایک ایک گھنٹہ میں برابر تمام دن پچاس پچاس بار ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہے ہیں اور شکستہ دلوں کو تسلی دے رہے ہیں۔ خدا رحم کرے اور آسان کرے سائیں فضل کرے وغیرہ۔ غرضیکہ اس قدر وسیع اخلاق آپ کی ذات ستودہ صفات میں موجود تھے کہ دشمن اور بدخواہ کی نظر بھی خوبیوں ہی پر پڑتی۔ ایک دفعہ کسی نے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کی خدمت اقدس میں آپ کی شکایات لکھیں: ”میاں محمد الدین سیالوی صاحب میں چند ایسے عیوب پائے جاتے ہیں جو لائق سجادہ نشینوں کے نہیں۔ آپ ان کو تنبیہ کریں۔ اول یہ کہ جب کبھی گاؤں میں یا اس علاقہ میں کوئی شخص مر جاتا ہے تو وہ خود تعزیت یا فاتحہ کے واسطے چلے جاتے ہیں اس میں ایک طرح کی ہتک ہے۔ دوسرے یہ صاحب اپنے والد کے خلیفہ کی قبر کو بوسہ دیتے ہیں یہ اچھا نہیں۔ اپنے گھر کے غلام کی قبر کی ایسی عزت نہیں کرنا چاہیے اس میں اپنی کسر شان ہوتی ہے۔“

حضرت خواجہ بلند شان نے اس کاغذ کی دوسری طرف اس گم نام خط کا یہ جواب لکھ

کر:

”میاں! خدا تجھے ہدایت دے یہ جو تو بُرائی سمجھتا ہے یہی تو وہ خوبی ہے جو ہر ایک

مسلمان میں ہونی چاہیے۔“

حضرت صاحب کے پاس سیال شریف (ضلع سرگودھا، پاکستان) بھیج دیا اور

ارشاد فرمایا: ”کاتب کا پتہ لگا کر اسے میرا جواب پہنچا دیا جائے۔“

حضرت کو رقت ہو گئی اور فرمانے لگے: ”خدا بھلا کرے میرے اور عیوب حضور میں لکھتا تا کہ آپ توجہ فرماتے کچھ مدت بعد آپ کو لکھنے والے کا پتہ چل گیا لیکن آپ نے اسے جتایا نہیں۔“ (محبوب سیال مرتبہ غلام دستگیر خان بے خود ص: ۷۳-۷۴)

پاس خاطر و ولداری

☆..... صوفی محمد صادق صاحب اگرچہ دنیوی لحاظ سے شکستہ حال تھے مگر محبت و رابطہ شیخ کی دولت سے مالا مال تھے ان کے گھر سونے کی دو بالیاں تھیں۔ خیال آیا کہ حضرت اقدس (مولانا محمد عبداللہ خانقاہ سراجیہ کنڈیاں ضلع میانوالی) کی صاحب زادی کی شادی کے وقت نامعلوم میرے پاس کوئی چیز موجود ہو یا نہ ہو اس لیے یہ بالیاں ہی آپ کی خدمت میں پیش کر دینی چاہئیں۔ چنانچہ انہوں نے خانقاہ شریف حاضر ہو کر یہ ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت اقدس نے پاس دل داری قبول کر لیا مگر گھر جا کر اہلیہ محترمہ سے فرمایا: ”یہ بالیاں ہمارے ایک مسکین ساتھی محمد صادق کی امانت ہیں انہیں محفوظ رکھیں۔ کسی موزوں وقت پر انہیں لوٹانا ہے۔“

حضرت اقدس کی وفات حسرت آیات کے بعد حسب پرشاد حضرت مائی صاحبہ نے صوفی صاحب کی وہ امانت ان کے حوالہ کر دی اب صوفی صاحب کو معلوم ہوا کہ حضرت کا اس وقت قبول فرمالینا محض دل داری کے لیے تھا وگرنہ آپ مال و دولت دنیا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔

درویش را کہ کنج قناعت مسلم است

درویش نام دارد و سلطان عالم است

(تحفہ سعدیہ قدوة السالکین حضرت ابوالسعید احمد خان نقشبندی خانقاہ سراجیہ کنڈیاں کے احوال

طیبہ واقوال ترکہ) مؤلفہ مرزا نذیر عرشی ص: ۳۱۰ مطبوعہ ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور ۱۹۷۳ء

حاجی امداد اللہ مہاجر کی علیہ الرحمۃ

• ایک روز ظہر کے بعد احقر (مولانا تھانوی) رباط سے (جس میں مقیم تھا اور حضرت

صاحب حاجی امداد اللہ مہاجر کی علیہ الرحمہ کے دولت خانہ سے تھوڑے فاصلہ پر ہے (نکلا تو دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ رباط کی طرف تنہا تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے دوڑ کر استقبال کیا اور وجہ تکلیف فرمانے کی دریافت کی۔ ارشاد فرمایا: ”بھائی تم لوگ اللہ کے واسطے ہر روز میرے پاس آنے کی تکلیف اٹھاتے ہو مجھ کو ایک بار بھی تم لوگوں کے پاس قصد کر کے نہ آنا چاہیے؟“

مجھ کو حضرت صاحب کی وسعت اخلاق سے کمال تاثر ہوا۔ غرض رباط میں تشریف لا کر نیچے کے درجے میں بیٹھ گئے اور سب اوپر کے درجوں کے لوگ اتر اتر کر حضرت صاحب کے پاس جمع ہو گئے۔ میں اپنے دل میں یہی سمجھتا تھا کہ بس یہاں ہی سے دولت خانہ واپس تشریف لے جائیں گے لیکن تھوڑی دیر میں اٹھ کر زینہ کی طرف چلے اور اوپر کے درجہ میں پہنچے۔ میں نے عرض کیا: ”کیا ضرورت ہے کہ تکلیف فرمائی جائے؟“

ارشاد فرمایا: ”بھائی! سب ہی کا حق ہے۔“

غرض یہ کہ اس کے سب درجوں میں جو کہ پانچ یا چھ تھے تشریف لے گئے اور بوجہ کمال ضعف جسمانی کے نہایت تعجب ہوا لیکن محض سب کی دل داری کی غرض سے اس کا تحمل فرمایا۔

(کتاب کمالات امدادیہ از مولوی اشرف علی تھانوی ص: ۲۲-۲۳ کمال نمبر ۳۲)

پانی پہ مصلیٰ

حضرت سیدنا حارث اولیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ایک مرتبہ میں مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً و تکریماً سے شام کی طرف روانہ ہوا، دوران سفر ایک قافلہ نظر آیا میں قریب گیا تو سب لوگ کسی بات پر گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے

سلام کیا اور کہا: ”میں بھی آپ کے ہمراہ سفر کرنا چاہتا ہوں، کیا آپ مجھے اپنے ساتھ رکھنے کو تیار ہیں؟“ کہا: ”جیسے تمہاری مرضی۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔“

چنانچہ میں بھی اس قافلے میں شامل ہو گیا۔ مسافر اپنی اپنی مطلوبہ منزل پر ٹھہرتے رہے آخر میں میرے ساتھ صرف ایک شخص بچا اس نے مجھ سے پوچھا: ”اے جوان! کہاں کا ارادہ ہے؟“ میں نے کہا: ”ملکِ شام میں ”کوہِ لکام“ میری منزل ہے وہاں حضرت سیدنا ابراہیم بن سعد علوی رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لیے جا رہا ہوں۔“

میرا وہ رفق چند دن میرے ساتھ رہا پھر مجھ سے جدا ہو گیا۔ میں اکیلا ہی سفر کرتا ہوا ”اولاس“ پہنچا اور سمندر کی جانب چلا گیا وہاں کا منظر ہی عجیب تھا۔ ایک شخص سمندر کی لہروں پر اتنے سکون سے نماز پڑھ رہا تھا گویا زمین پر ہے۔ یہ عجیب و غریب منظر دیکھ کر مجھ پر ہیبت طاری ہونے لگی جب اس نے محسوس کیا کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے تو نماز کو مختصر کر کے میری طرف متوجہ ہوا۔ میں نے دیکھا تو فوراً انہیں پہچان لیا۔ وہ حضرت سیدنا ابراہیم بن سعد علوی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا: ”ابھی تم یہاں سے چلے جاؤ تین دن بعد آنا۔“

میں فوراً واپس چلا آیا اور حسبِ ارشاد تین دن بعد دوبارہ ساحلِ سمندر پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ میرے قدموں کی آہٹ سن کر انہوں نے نماز مختصر کی اور فراغت کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر سمندر کے پانی کے بالکل قریب کھڑا کر دیا۔ پھر ان کے ہونٹوں نے جنبش کی اور وہ آہستہ آہستہ کچھ پڑھنے لگے۔ میں نے دل میں کہا: ”اگر آج یہ سمندر کے پانی پر چلے تو مجھے بھی ان کے ساتھ سمندر کے پانی پر چلنے کا موقع مل جائے گا۔“

میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک سمندر کے پانی میں دو اڑدھے ظاہر ہوئے وہ سر اٹھائے منہ کھولے ہماری طرف بڑھنے لگے۔ میں نے اپنے دل میں کہا: ”کاش! یہاں کوئی شکاری ہوتا جو انہیں پکڑ لیتا۔“

جیسے ہی میرے دل میں یہ خیال آیا فوراً وہ دونوں اتر دھے پانی میں غائب ہو گئے۔ حضرت سیدنا ابراہیم بن سعد علوی رحمۃ اللہ علیہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

”یہاں سے چلے جاؤ ابھی تم اپنی طلب کو نہیں پہنچ سکتے۔ جاؤ ابھی پہاڑوں میں گوشہ نشینی اختیار کرو دنیوی زندگی کو بہت کم سمجھو اور جو کچھ مل جائے اسی پر صبر کرو یہاں تک کہ تمہیں پیغام اجل آجائے۔“ اتنا کہہ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ مجھے وہیں چھوڑ کر ایک سمت تشریف لے گئے۔“ (عیون الحکایات)

خوش نوودی باری تعالیٰ

ابو یوسف یعقوب بن یوسف سے منقول ہے کہ میرا ایک دوست اور ساتھی نہایت ہی پرہیزگار اور متقی تھا لیکن اس کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنی ذات سے لوگوں پر یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ بدکاری اور بد چلنی کا مرتکب ہے۔ وہ بدکاروں اور بد چلنوں کا لباس پہنتا تھا اس کی پیشانی رندوں اور بے باکوں کی پیشانی کی طرح تھی۔ وہ خانہ کعبہ کا طواف دس برس سے میرے ساتھ کرتا تھا ایک دن روزہ رکھتا تھا اور ایک دن افطار کرتا تھا۔ میں ہمیشہ روزے رکھتا تھا پس وہ اکثر مجھ سے کہا کرتا تھا: ”تم کو اس روزہ پر اجر نہ ملے گا کیونکہ تمہارا نفس اس کا عادی ہو گیا ہے۔“

وہ پورے عشرہ محرم کا روزہ رکھتا تھا۔ وہ پہلے میدان میں رہتا تھا پھر وہ میرے ساتھ شہر طرطوس میں داخل ہوا۔ ہم ایک مدت تک وہاں ٹھہرے اس کے بعد وہ مر گیا۔ مرنے کے وقت میں اس کے ساتھ ایسے ویرانے میں تھا کہ وہاں کوئی نہ تھا۔ پس میں ویرانے سے نکلتا کہ اس کے لیے کفن اور خوشبو حاصل کروں۔ ناگاہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس کے مرنے کی باتیں کر رہے ہیں اور اس کے جنازہ اور اس پر نماز پڑھنے کے واسطے آ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ میں سے ایک شخص مر گیا جو پرہیزگار اور عبادت گزار

تھا۔ چنانچہ میں نے اس کے واسطے کفن اور خوشبو خریدی جب میں واپس آیا تو لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے اس ویرانے تک پہنچنے پر قدرت نہ ہوئی۔ میں نے کہا: ”سبحان اللہ! لوگوں کو اس کے مرنے کی کس نے خبر دی کہ لوگ اس کے جنازہ پر نماز پڑھنے کے واسطے آئے۔“

وہ لوگ اس پر روتے تھے۔ پس جب محنت اور مشقت کے بعد میں اس ویرانہ میں داخل ہوا تو میں نے اس کے پاس ایسا کفن پایا کہ اس طرح کا کفن دیکھنے میں نہیں آیا تھا اور اس پر سبز خط سے لکھا ہوا تھا: ”یہ اس شخص کی جزا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کو اپنے نفس کی رضامندی پر ترجیح دی اور اس نے ہمارے دیدار کو محبوب رکھا اس لیے ہم نے اس کی ملاقات کو دوست رکھا۔“

اس کے بعد ہم نے اس پر نماز پڑھی اور مسلمانوں کے مقبرہ میں اس کو دفن کیا پھر میری آنکھوں پر نیند غالب ہوئی اور میں سو گیا۔ میں نے اس کو دیکھا کہ وہ ایک سبز گھوڑے پر سوار ہے اس کے بدن پر سبز لباس ہے اس کے ہاتھ میں جھنڈا ہے اس کے پیچھے ایک جوان خوب صورت ہے اس سے نہایت ہی پاکیزہ خوشبو آ رہی ہے اس جوان کے پیچھے دو بوڑھے ہیں پھر ان کے پیچھے ایک بوڑھا اور ایک جوان ہے۔ میں نے اس سے کہا: ”یہ کون لوگ ہیں؟“

اس نے جواب دیا: ”یہ جوان ہمارے نبی محمد ﷺ ہیں۔ یہ دونوں بوڑھے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور ایک بوڑھا اور ایک جوان یہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ہیں اور میں ان حضرات کے سامنے ابن کا علی بیدار ہوں۔“

میں نے اس سے کہا: ”یہ حضرات کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں؟“

اس نے جواب دیا: ”کسی کی ملاقات کو جاتے ہیں۔“

اس کے بعد میں نے اپنے رفیق سے کہا: ”تم کو یہ بزرگیاں کس وجہ سے حاصل ہوئیں؟“ اس نے کہا: ”میں نے اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کو اپنی رضامندی پر ترجیح دی اور

عشرہ محرم کے روزے رکھے۔ انہیں وجوہ سے مجھے یہ بزرگیاں ملیں۔“

میں اپنے خواب سے بے دار ہوا اور جب تک میں زندہ رہا عشرہ محرم کے روزے نہ ترک کیے۔ واللہ اعلم۔ (قلیوبی)

خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں

والی مصر احمد بن طولون بڑا ہی سفاک اور خون ریز بادشاہ تھا مگر اس کے باوجود اس کو مقدمات میں ظالم و مظلوم کے درمیان عدل کرنے کا بڑا جذبہ تھا۔ ایک دن اس کا لڑکا عباس ایک گانے والی عورت کے ساتھ چلا جا رہا تھا اور اس کا غلام ہاتھ میں ”ستار“ لیے جا رہا تھا۔ ایک عالم حقانی نے یہ منظر دیکھا تو ایک دم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ سینے میں بے دار ہو گیا۔ غضب و جلال میں بے قرار ہو کر دوڑ پڑے اور غلام کے ہاتھ سے ستار چھین کر زمین پر اس طرح پینچ دیا کہ وہ چور چور ہو کر بکھر گیا۔ عباس نے غضب ناک ہو کر اپنے باپ احمد بن طولون کی کچھری میں اس حقانی عالم پر مقدمہ دائر کر دیا جب یہ پیکر علم و عمل کچھری میں پہنچا تو احمد بن طولون نے سوال کیا: ”کیا واقعی تم نے ستار کو توڑا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”جی ہاں!“ احمد بن طولون نے تیور بدل کر بڑے غصہ میں پوچھا: ”کیا تم کو علم تھا کہ وہ ستار کس کا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”جی ہاں! وہ آپ کے فرزند عباس کا تھا۔“

احمد بن طولون نے پوچھا: ”پھر بھی تم نے میرے اعزاز کا کچھ بھی خیال نہیں رکھا؟“ عالم حقانی نے نہایت ہی بے خوفی کے ساتھ جواب دیا: ”عزت مآب یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ میں ایک گناہ ہوتے ہوئے دیکھوں اور آپ کے اعزاز کے خیال سے خاموش رہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ .

”تمام مومنین اور مومنات ایک دوسرے کے دوست رہیں ان کا یہی کام ہے کہ یہ لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں۔“
اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ .
”خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔“

عالم حقانی کی یہ حق نما تقریر تاثیر کا تیر بن کر احمد بن طولون کے دل میں پیوست ہو گئی۔ ایک دم اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اس نے یہ کہہ دیا: ”میں آپ کو مجاز بناتا ہوں کہ آپ پورے شہر میں جو بات بھی خلاف شرع دیکھیں اس کو برباد اور تہس نہس کر دیجیے۔ میں آپ کا معین و مددگار ہوں۔“

اس حکایت سے یہ روشنی ملتی ہے کہ اگر کوئی حق پرست واقعی جذبہ اخلاص اور جوش صداقت سے کوئی کلمہ حق کہے تو خداوند عالم اس کے کلام میں ایسی تاثیر پیدا فرمادیتا ہے کہ بڑے بڑے ظالموں کے سینوں میں آہنی دل بھی پگھل کر موم بن جاتے ہیں اور حق کہنے والے کی نصرت و حمایت کے لیے آسمانوں سے قدسیوں کی ایسی فوج اتر پڑتی ہے جس کی ہیبت و جلالت سے ظالموں کے جسم کا رو ٹکڑا رو ٹکڑا اور بدن کا بال بال لرزنے لگتا ہے اور فتح مبین انتہائی جذبہ عقیدت کے ساتھ حق پرست انسان کے قدموں کا بوسہ لینے لگتی ہے۔ سبحان اللہ! سچ کہا ہے شاعر مشرق نے

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لائحہ

حق گو لقب کی وجہ تسمیہ

حضرت مولانا شیخ شہاب الدین بن مولانا فخر الدین زاہدی کا لقب ”حق گو“ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ دہلی محمد بن تغلق بڑا ہی ظالم تھا مگر ایک دم اس کے سر پر یہ خبط بھوٹ بن کر سوار ہو گیا کہ سب مجھے ”محمد عادل“ کہیں۔ چنانچہ اس نے حضرت مولانا کو

دربار میں بلایا اور حکم دیا: ”آپ مجھے ”محمد عادل“ کے لقب سے پکاریں۔“
یہ سن کر آپ نے نہایت ہی مجاہدانہ لہجے میں ارشاد فرمایا: ”میں ایک ظالم کو ہرگز
ہرگز کبھی عادل نہیں کہہ سکتا۔“ بادشاہ نے غضب ناک ہو کر جلا دوں کو حکم دے دیا کہ ان کو
قلعہ کی دیوار سے نیچے پھینک دو۔ چنانچہ جلا دوں نے آپ کو دیوار سے نیچے پھینک دیا اور
آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی قبر شریف قلعہ کے نیچے بنی ہوئی ہے اس واقعہ کے بعد لوگ
آپ کو شہاب الدین حق گو کہنے لگے۔ (مسطر ف ج اص ۱۰۰ اخبار الاخیار ۱۲۷)

پاخانہ مت کھا کیا بک رہا ہے

بادشاہ دہلی محمد تغلق ظالم ہونے کے ساتھ انتہائی گستاخ بے ادب بھی تھا اور اپنی
سلطنت کے غرور اور گھمنڈ میں کبھی کبھی مسائل شریعت پر بھی جرح و قدح کرنے لگتا تھا۔
چنانچہ ایک مرتبہ اس نے یہ کہہ دیا: ”خدا کا فیض منقطع نہیں ہوتا پھر فیض نبوت کیونکر منقطع
ہو سکتا ہے؟ اگر اب کوئی نبوت کا دعویٰ کرے اور معجزہ دکھائے تو اس کی تصدیق کرو گے یا
نہیں؟“ مولانا عماد نے اسی وقت بھر دربار میں یہ کہہ دیا:

”مگر مخور چہ می گوئی“

”پاخانہ مت کھا کیا بک رہا ہے؟“

محمد تغلق نے حکم دیا: ”ان کو ذبح کر کے زبان کھینچ لی جائے۔“

چنانچہ جلا دوں نے آپ کو ذبح کر کے آپ کی زبان کھینچ لی۔

مولانا شہاب الدین اور مولانا عماد وغیرہ سینکڑوں علماء سلف ایسے ہوئے جنہوں

نے کلمہ حق کی وجہ سے جام شہادت نوش کیا۔ بلاشبہ یہ مقدس ہستیاں ”شہدائے حق“ ہیں

جو خود کٹ گئے مگر حق کو کٹنے نہیں دیا، خود مٹ گئے مگر حق کو مٹنے نہیں دیا یقیناً ان کی

قربانیوں کی بدولت سارے عالم میں حق کا بول بالا ہو گیا۔ ظالم بادشاہوں کی تلواروں

سے ان حقانی شہیدوں کی گردنیں تو کٹ گئیں لیکن ان کی حقانیت کی شہ رگ نہ آج تک

کٹی نہ قیامت تک کٹ سکتی ہے بلکہ قیامت تک ان کی حقانیت زندہ رہے گی اور ان کی

حقانیت کا پرچم ہمیشہ فضا آسمانی میں لہراتا ہو زبانِ حال سے یہ وحد آفریں اور روح پرور
پیغام نشر کرتا رہے گا کہ

زندہ ہے ملتِ بیضاء شہداء کے دم سے
ان کی روحوں پر ہو سو بار درود و سلام



ایک کمسن بچہ مگر.....

خلافتِ عباسیہ میں قبیلہ شیبان کا ایک آدمی بادشاہ کے پاس ایک نہایت ہی
رازدارانہ کارِ منصبی انجام دیا کرتا تھا اس کا کام یہ تھا کہ وہ روزانہ صبح سے دوپہر تک بازار
میں جا کر گھومتا پھرتا اور وہاں لوگوں کی چہ میگوئیاں اور ان کی جو کچھ سرگرمیاں ہوتیں ان
کی رپورٹ تیار کر کے اس پر اپنی مہر لگاتا اور اسے اپنے افسر کے پاس بھیجتا پھر وہ افسران
رپورٹوں کو ترتیب دے کر بادشاہ کے روبرو پیش کرتا ایسا اس لیے کیا جاتا کہ ملک کے اندر
امن و امان برقرار رکھا جاسکے اور عامۃ الناس کو درپیش خطروں سے نمٹا جاسکے۔ ایک مرتبہ
رپورٹ لکھنے والا یہ آدمی اپنی کسی سخت ضرورت کے پیش نظر مشغول ہو گیا اور بازار پہنچ کر
رپورٹ نہ لکھ سکا۔ بعد میں بازار میں ہونے والی چہ میگوئیوں اور لوگوں کی سرگرمیوں کے
متعلق جو کچھ سنا آ کر ضبطِ تحریر میں لایا اور سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر رپورٹ تیار کر کے
اس پر اپنی مہر لگا دی پھر اپنے کمسن بھتیجے کو آواز دی جس کا نام احمد تھا اور اس سے
پوچھا: ”اے احمد! کیا تجھے اس افسر کا دفتر معلوم ہے جو روزانہ مجھ سے رپورٹ وصول کرتا
ہے؟“ بچے نے جواب دیا: ”ہاں! مجھے معلوم ہے۔“ چچا نے کہا: ”آج میری یہ رپورٹ
لے جا کر افسر کے پاس جمع کرادو میں نے اس پر مہر ثبت کر دی ہے اور افسر سے کہہ دینا
کہ میرے چچا چانک کسی مصروفیت میں پڑ گئے ہیں اس لیے آج وہ حاضر نہیں ہو سکے لہذا
انہوں نے یہ رپورٹ میرے ہاتھ بھیجی ہے۔“

بچے نے اپنے چچا سے رپورٹ لی اور شہر کے بیچ والی سڑک سے امن وامان کے افسر کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنے چچا کی رپورٹ کے اوراق افسر کی خدمت میں پیش کرتا اسے یاد آیا کہ چچا نے رپورٹ کے اوراق بغیر تاریخ لکھے ہی حوالے کر دیئے ہیں چنانچہ بچے نے خود تصرف کر کے اس میں تاریخ درج کر دی ابھی وہ بچہ آگے کی طرف قدم بڑھا رہا تھا کہ اس کا گزر راستے میں ایک نہر کے پل سے ہوا بچے کے ذہن و دماغ میں خود بخود یہ باتیں آنے لگیں: ”اے احمد! تو اگر چہ ایک چھوٹا بچہ ہے لیکن تجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تیرے چچا کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ تیرا چچا بازار میں ہونے والی لوگوں کی چہ میگوئیاں اور ان کے کاموں کی تفصیل لکھ کر افسر کو پہنچاتا ہے جو کہ شریعت کی نگاہ میں ایک حرام کام ہے کیونکہ یہ بھی جاسوسی کی ایک قسم ہے اور جاسوسی سے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَا تَجَسَّسُوا“

”اور جاسوسی مت کیا کرو۔“ (الحجرات: ۱۲)

لہذا اے احمد! تو بھی ایک ممنوع فعل کا ارتکاب کر رہا ہے اور اس کام میں دوسرے کا تعاون کر رہا ہے جس کام سے قرآن نے روکا ہے۔“

بچے کے دل میں آنے والی باتوں نے اس کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور اس نے فوراً اپنے چچا کی دی ہوئی رپورٹ نہر میں پھینک دی اور واپس اپنے گھر آ گیا۔

جب امن وامان کے افسر کے پاس رپورٹ پہنچنے میں تاخیر ہوئی تو اس نے اپنے آدمیوں کو اپنے رپورٹر کی خدمت میں بھیجا کہ آخر بات کیا ہے کہ رپورٹ نہیں پہنچ سکی جب افسر کے کارندے رپورٹر کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں بتایا: ”میں نے اپنے احمد نامی بھتیجے کے ذریعے رپورٹ افسر کے پاس بھیج دی تھی۔“

یہ سن کر افسر کے کارندے بچے کے پاس پہنچے اور اس سے پوچھا: ”تمہارے چچا نے جو رپورٹ افسر تک پہنچانے کے لیے دی تھی وہ کہاں ہے؟“

بچے نے جواب دیا: ”وہ تو میں نے نہر میں پھینک دی۔“

یہ سنتے ہی افسر کے کارندے تعجب اور خوف سے چیختے ہوئے بول اٹھے: ”کیوں؟ کس وجہ سے تم نے رپورٹ نہر میں پھینک دی..... کیا بات ہے؟“

بچے نے جواب دیا: ”کیونکہ یہ فعل شرعاً حرام ہے..... یہ رپورٹ جاسوسی کی ایک قسم ہے جسے شریعتِ اسلامیہ نے ممنوع قرار دیا ہے اس لیے میں نہیں چاہتا کہ اس ناجائز فعل پر میری طرف سے کوئی تعاون ہو۔“

کارندوں نے بچے کا جواب سن کر فوراً افسر کے پاس یہ بات پہنچائی۔ افسر نے جب بچے کے بارے میں یہ کچھ سنا تو بچے کی بات اس کے دل کو لگی اور بول اٹھا: ”یہ بچہ اتنا پرہیزگار ہے پھر ہمیں کس قدر پرہیزگار ہونے کی ضرورت ہے، ہم کہاں ہیں؟“

پھر اس دن سے ان کی نگاہیں اس بچے پر جم گئیں اور انہیں ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ بچے کو نہیں بلکہ کسی جوان کو دیکھ رہے ہوں۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ بچہ کون تھا؟ یہ بچہ وہی نامی گرامی شخصیت ہے جس کو پوری دنیا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی ہے جو محدثِ کبیر اور فقیہِ عظیم ہیں جن کو ”امام الورع“ (تقویٰ کا امام) کہا جاتا ہے جنہوں نے خلیفہ مامون کے دورِ حکومت میں ابتلاء و آزمائش کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور عقیدہٴ اسلام کی طرف سے کھل کر دفاع کیا، حق بات کی آواز بلند کرنے میں ہر مصیبت برداشت کی اور انتہائی سخت مصیبت کی حالت میں بھی قرآن و حدیث سے ہٹ کر اللہ کے دین میں ایک کلمہ کہنا گوارا نہیں کیا۔ جی ہاں! یہ بچہ وہی ہے جو ”امام احمد کے نام سے مشہور ہوا جس کی زندگی کے درپے ہونے والے تمام کے تمام مٹ گئے، کوئی ان کا اچھے طریقے سے نام تک لینے والا نہیں لیکن ”احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ“ کا نام آتے ہی ایک اسلامی ہیرو کا تصور آج بھی لوگوں کے دل و دماغ پر چھا جاتا ہے۔ یہ بچہ آگے چل کر ایک عظیم محدث اور امام بنا لیکن بچپن ہی سے حسبِ لیاقت ہر بات کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر رکھنا اس پر عمل کرنا اس کی شان تھی۔

(مجلد ”النور“ عدد ۱۳۵ شوال ۱۴۱۷ھ)

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک گاہک

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۵۷ھ) سوداگری کیا کرتے تھے اور پانچ فی صدی سے زیادہ منافع نہ لیتے تھے۔ ایک بار آپ نے ساٹھ روپے کے بادام خریدے اور بعد میں باداموں کی قیمت چڑھ گئی۔ ایک ایجنٹ نے آپ سے بادام لیے تو آپ نے تریسٹھ روپے میں فروخت کر دیئے اس نے کہا: ”آج کل تو ان کی قیمت نوے روپے ہے۔“ تو آپ نے فرمایا: ”میں نے اللہ سے عہد کر رکھا ہے کہ پانچ فی صدی سے زیادہ منافع نہ لوں گا۔“ ایجنٹ نے کہا: ”میں بھی آپ کا مال کم قیمت پر فروخت نہیں کرنا چاہتا۔“

نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے کم قیمت پر لیے نہیں اور آپ نے زیادہ قیمت پر دیئے نہیں۔ یہ ہے ایک دوسرے کی خیر خواہی جسے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”دین“ کا نام دیا ہے۔ دین لمبی چوڑی تسبیحوں اور جہوں قبوں کا نام نہیں جو تاجر اور دکان دار لوگوں کی جیبیں کاٹتا ہے، ظلم کی حد تک نفع وصول کرتا ہے، کاروبار میں اجارہ دار بن کر بیٹھ جاتا ہے اور گاہکوں و ضرورت مندوں سے من مانی اور منہ مانگی قیمت وصول کرتا ہے اس تاجر اور دکان دار کی نمازوں تسبیحوں اور حجوں کی عند اللہ کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

(کیمائے سعادت، ص ۲۸۲ تاریخ بغداد للخطیب بغدادی: ۱۸۹: ۹، طبع مصر)

مدینے کا سفر ہے اور میں نم دیدہ نم دیدہ

حضرت سیدنا علی بن محمد سیروانی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، میں نے حضرت سیدنا ابراہیم خواص رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”ایک مرتبہ ایک وادی میں مجھے بہت زیادہ پیاس لگی، شدت پیاس سے میں نیم بے ہوش ہو کر گر پڑا اچانک میرے چہرے پر پانی کے قطرے گرے جن کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل پر محسوس کی۔ آنکھیں کھولیں تو خوب صورت سفید گھوڑے پر سوار سبز کپڑے زیب تن کیے، زرد عمامے کا تاج سر پر سجائے ایک شکیل و جمیل نوجوان نظر آیا جس کے ہاتھ میں ایک پیالہ تھا ایسا خوب صورت نوجوان میں نے آج تک نہ دیکھا تھا اس نے مجھے پیالے میں سے شربت پلایا اور کہا: ”میرے پیچھے سوار ہو جاؤ۔“

میں گھوڑے پر اس کے پیچھے سوار ہو گیا ابھی وہ گھوڑا اپنی جگہ سے چلا ہی تھا کہ اس نوجوان نے مجھ سے پوچھا: ”تم سامنے کیا دیکھ رہے ہو؟“

میں نے کہا: ”میرے سامنے اس وقت مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً کا پر کیف نظارہ ہے۔ سبحان اللہ! میں تو اپنے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں پہنچ چکا ہوں۔“ نوجوان نے کہا: ”اب اتر جاؤ اور جب روضہ رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر حاضری ہو تو میرا بھی باادب سلام عرض کر دینا اور کہنا: ”کہ رضوان جنت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں خوب خوب سلام عرض کرتا ہے۔“

اتنا کہہ کر وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔“ (عیون الحکایات)

زہر بے اثر، کوہ قاف کے فرشتے، بہترین نگہبان

کٹا ہوا ہاتھ، میزبان و مہمان

بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کی ایک ایسی لونڈی تھی جو ان سے بغض اور عداوت رکھتی تھی اور ان کو زہر پلاتی تھی لیکن وہ ان پر کچھ اثر نہ کرتا تھا جب اس طرح عرصہ گزرا تو اس لونڈی نے ابو مسلم رضی اللہ عنہ سے کہا: ”میں نے تم کو زمانہ دراز تک زہر پلایا مگر وہ تم پر اثر نہیں کرتا ہے۔“ ابو مسلم رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: ”تو یہ کیوں کرتی ہے؟“

اس نے کہا: ”تم بہت بوڑھے ہو گئے ہو۔“

ابو مسلم رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: ”زہر کے اثر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں کھانے اور پینے کے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لیتا ہوں۔“ پھر انہوں نے اس کو لونڈی کو آزاد کر دیا۔

☆..... مقاتل رضی اللہ عنہ سے نقل ہے وہ کہتے ہیں کہ کوہ قاف کے پیچھے ایک زمین ہے جو چاندی کی طرح روشن نرم اور چکنی ہے اور اس کی وسعت دنیا کی ہفت گونہ ہے اور فرشتوں سے ایسی بھری ہوئی ہے کہ اگر سوئی گرائی جائے تو وہ ان کے اوپر گرے گی اور ان فرشتوں میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک جھنڈا ہے اور اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے اور وہ فرشتگان ہر رات کو ماہِ رجب میں کوہ قاف کے گرد جمع ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں ریزاری کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی سلامتی کی دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ”اے ہمارے رب! امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

امت کو عذاب نہ دے۔“

وہ روتے ہیں اور عاجزی و انکساری کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے:

”تم لوگ کیا چاہتے ہو؟“

وہ کہتے ہیں: ”ہم چاہتے ہیں کہ تو محمد ﷺ کی امت کی مغفرت فرما دے۔“

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”بے شک میں نے ان کو بخش دیا۔“

☆..... بیان کرتے ہیں کہ رابعہ عدویہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک چور گھساوہ سوئی ہوئی

تھیں چنانچہ چور نے ان کے گھر کا اسباب جمع کر کے دروازہ سے نکلنے کا قصد کیا مگر اس پر

دروازہ پوشیدہ ہو گیا اس کے بعد وہ بیٹھ گیا اور دروازہ کے ظاہر ہونے کا انتظار کرنے لگا

ناگاہ اس نے سنا کہ ہاتھ غیب اس سے کہتا ہے: ”کیڑے رکھ اور دروازہ سے باہر جا۔“

چنانچہ اس نے کیڑے رکھ دیئے دروازہ ظاہر ہوا پھر اس نے کیڑے لے لیے

دوبارہ پھر دروازہ چھپ گیا اس کے بعد اس نے کیڑے رکھ دیئے پھر دروازہ ظاہر ہوا پھر

اس نے وہ کیڑے لیے پھر دروازہ پوشیدہ ہو گیا اسی طرح اس نے تین مرتبہ سے زائد کیا

اس کے بعد منادی غیب نے اس کو آواز دی: ”اگر رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا سو گئی ہے تو اس کا

حبیب تو نہیں سوتا ہے نہ وہ اونگھتا ہے نہ اسے نیند آتی ہے۔“ چور نے کیڑے رکھے اور

دروازہ سے باہر چلا گیا۔

☆..... بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک غلام حبشی

تھا جس نے چوری کی تھی لوگوں نے پیش کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ”کیا تو

نے چوری کی ہے؟“ اس نے کہا: ”ہاں!“

چنانچہ آپ نے اس کلمہ کو اس پر تین مرتبہ دہرایا اور وہ کہتا رہا: ”ہاں! میں نے چوری

کی ہے۔“

اس کے بعد آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور وہ کاٹ لیا گیا پھر اس نے وہ

کٹا ہوا ہاتھ لیا اور باہر نکلا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس کو ملے اور اس سے فرمایا: ”تیرا

ہاتھ کس نے کاٹا ہے؟“

اس نے جواب دیا: ”دین کے بازو رسول اللہ کے داماد فاطمہ بنتول رضی اللہ عنہا کے شوہر اور رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس کو کاٹا ہے۔“

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: ”انہوں نے تو تیرا ہاتھ کاٹا اور تو ان کی تعریف کرتا ہے؟“

اس نے کہا: ”ہاں! انہوں نے ایک ہاتھ کے بدلے مجھے دردناک عذاب سے نجات دی۔“

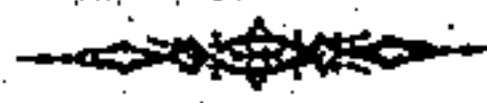
اس کے بعد حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔ پس آپ نے اس غلام حبشی کو بلایا۔ چنانچہ وہ حاضر کیا گیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ کٹے ہوئے ہاتھ کی جگہ میں رکھا اور رومال سے اس کو چھپایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی چنانچہ اللہ کے حکم سے وہ ہاتھ اچھا ہو گیا۔

☆..... نقل ہے کہ قیصر بادشاہ روم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو لکھا:

”کیا میزبان کو یہ زیبا ہے کہ مہمان کو اپنے گھر سے نکال دے۔“

یعنی حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو جنت سے نکال دینے کے بارہ میں قیصر نے یہ لکھا تھا۔ پس ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”میزبان نے ان کو نکالا نہیں بلکہ اس نے ان سے فرمایا: ”تم دونوں اپنا لباس رکھو پھر قضا حاجت کو جاؤ جس طرح کہ مہمان اپنے کپڑے نکالتا ہے اور بیت الخلاء (پاخانہ) جاتا ہے تاکہ اپنی ضرورت پوری کرے پھر دسترخوان کی طرف واپس آئے۔“ (قلیوبی)



امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور خلیفہ منصور

علامہ قاضی عیاض ناقل ہیں کہ خلیفہ بغداد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو کرتے ہوئے اس کی آواز کچھ بلند ہو گئی تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ڈانٹ کر فرمایا: ”اے امیر المؤمنین! خداوند عالم کا فرمان ہے:

لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ .

”اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند مت کرو۔“

اے امیر المؤمنین! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب و احترام اب بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ظاہری حیات مبارکہ میں تھا اس لیے قبر انور کے پاس ہرگز ہرگز بلند آواز سے گفتگو نہ کیجیے۔ امام ممدوح کی ڈانٹ سن کر خلیفہ منصور بالکل خاموش ہو گیا پھر نہایت ہی پست آواز سے یہ مسئلہ دریافت کیا: ”اے مالک! میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں سلام عرض کر چکا اب میں قبر انور ہی کی طرف اپنا رخ کر کے دعا کروں؟“

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ”تم اپنا چہرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیوں اور کس طرح پھیرو گے؟ جب کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں تمہارا اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کر کے خدا سے دعا مانگو اور ان کو بارگاہِ الہی میں اپنا شفیع بناؤ تو خداوند کریم ان کے وسیلہ سے تمہاری دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔“ خداوند قدوس کے اس پیغام کو یاد رکھو:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ

الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا .

”اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو انہیں چاہیے کہ اے محبوب وہ آپ کے

پاس حاضر ہو جائیں پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت طلب کریں تو یقیناً گناہ گار لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا اور بخشنے والا پائیں گے۔“

(وقاء الوفا ج ۳ ص ۱۳۷۶)

یہ ہے اصل حکومت

اشعث بن شعبہ مصیصی کہتے ہیں کہ خلیفہ ہارون رشید ایک دفعہ رَقہ (فرات کے کنارے ایک مشہور شہر) آیا اس کے بعد عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کی وہاں تشریف آوری ہوئی۔ رَقہ کے لوگ عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ لوگوں کے جوتوں کی آواز فضا میں گونجنے لگی اور ان کے تسمے ٹوٹ گئے اور فضا گرد آلود ہو گئی اس شور و شغب کو سن کر ایک خاتون نے محل کے درتچے سے جھانکا۔ یہ خاتون بنو امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد بن الحکم کی والدہ تھی اس نے لوگوں کا یہ اُمدتا ہجوم دیکھ کر پوچھا: ”یہ ماجرا کیا ہے؟“

اسے بتایا گیا کہ خراسان کے ایک عالم رَقہ تشریف لائے ہیں جن کا اسم گرامی ”عبد اللہ بن مبارک“ ہے۔ وہ خاتون بے ساختہ بولی:

هَذَا وَاللَّهِ الْمَلِكُ لَا مَلِكُ هَارُونَ الَّذِي لَا يَجْمَعُ النَّاسَ إِلَّا بِسَوْطِ
وَأَعْوَانِ -

”اللہ کی قسم! یہی شخص اصل بادشاہت کا مالک ہے نہ کہ ہارون رشید جو کہ لوگوں کو کوڑوں اور سپاہیوں کی مدد سے اکٹھا کرتا ہے۔“

(المختصر فی تاریخ الامم والملوک ابن الجوزی ۶۰/۹، تاریخ بغداد ۱۰/۱۵۶)

ایک سوداگر کی کمال خیر خواہی

ایک سوداگر بھرے میں تھا اس کے ملازم نے اس کو لکھا کہ اس سال شکر کافی گراں ہو جائے گی لہذا جلد از جلد زیادہ سے زیادہ خرید لی جائے۔ سوداگر نے خرید لی اور مہنگا ہونے پر فروخت کی تو تیس ہزار روپہم کا منافع ہوا لیکن پھر سوچا کہ میں نے ایک مسلمان کو دھوکہ دیا ہے اور شکر کی گرانی کے لیے اس کو نہ بتایا لہذا اپنے منافع کا سب روپیہ لے کر اس سوداگر کے پاس پہنچا اور کہا: ”یہ تمہارا روپیہ ہے۔“

سوداگر نے حیران ہو کر دریافت کیا تب اس نے پورا قصہ بیان کر دیا۔ سوداگر یہ سن کر خوش ہوا اور اس کو سب روپیہ معاف کر دیا جب واپس ہوا تو سوچا ہو سکتا ہے کہ اس نے لحاظ کی وجہ سے روپیہ لینے سے انکار کیا ہو۔ چنانچہ دوبارہ پھر گیا اور انتہائی اصرار کر کے روپیہ دے دیا۔ ایسے تاجروں کے کاروبار گھر بار اور زندگی میں کیوں نہیں خیر و برکت ہوگی اور آخرت میں اللہ کریم ان کے درجات کو کیوں نہیں بلند فرمائے گا۔ ایسے ہی خوش نصیب تاجروں کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے یہ وعدہ اور پیشین گوئی فرمائی ہے:

التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ رَوَاهُ
الْقُرْمَذِيُّ - (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۳ طبع سعید کینی کراچی)

”وہ تاجر وہ جو اپنے کاروبار میں کھرا سچا اور امانت دار ہے قیامت کے روز انبیاء صدیقین اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔“

(کیمائے سعادت ص ۲۸۱)

وصالِ باکمال

حضرت سیدنا ابراہیم بن اشتر رضی اللہ عنہما اپنے والدِ محترم کے حوالے سے فرماتے ہیں: ”حضرت سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت سیدہ ام ذر رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”جب حضرت سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ صحرائی سفر پر تھے میں بھی ان کے ساتھ تھی میں رونے لگی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”کیوں روتی ہو؟“ میں نے کہا: ”آپ اس بے آب و گیاہ ویران صحرا میں انتقال کر رہے ہیں اور اس وقت نہ تو میرے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس سے آپ کے کفن و دفن کا انتظام ہو سکے اور نہ آپ کے پاس پھر میں کیوں نہ روؤں؟“ فرمایا: ”رونا چھوڑ! تیرے لیے خوش خبری ہے۔“

ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کوئی بھی دو مسلمان جن کے دو یا تین بچے فوت ہو جائیں اور وہ اس پر صبر کریں اور اجر کی امید رکھیں تو وہ کبھی بھی جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔“

اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم چند لوگوں کو مخاطب کر کے (غیب کی خبر دیتے ہوئے) ارشاد فرمایا: ”تم میں سے ایک شخص صحرا میں مرے گا اور اس کی وفات کے وقت مومنین کا ایک گروہ اس کے پاس پہنچے گا۔“

(مسند احمد حدیث ابی ذر الغفاری الحدیث ۲۱۳۳۱ ج ۸ ص ۸۶ الطبقات الکبریٰ لابن سعد ابو ذر

جندب بن جنادة الرقم ۳۳۲ ج ۴ ص ۱۷۶)

اب ان تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کوئی زندہ نہیں رہا صرف میں اکیلا باقی ہوں اور ان سب کی وفات یا تو شہر میں ہوئی یا آبادی میں اور میں صحرا میں فوت ہو رہا ہوں یقیناً وہ شخص میں ہی ہوں اور اللہ کی قسم! نہ میں نے جھوٹ کہا اور نہ ہی مجھے جھوٹی خبر ملی تو جا اور دیکھ ضرور کوئی نہ کوئی ہماری مدد کو آئے گا۔“

میں نے کہا: ”اب تو حجاج کرام بھی جا چکے اور راستہ بند ہو گیا۔“
فرمایا: ”تو جا کر دیکھ تو سہی۔“

چنانچہ میں ریت کے ٹیلے پر چڑھی اور راستے کی طرف دیکھنے لگی، تھوڑی دیر بعد واپس ان کے پاس آگئی اور تیمارداری کرنے لگی پھر دوبارہ ٹیلے پر چڑھ کر راہ تنکنے لگی اچانک کچھ دُور مجھے چند سوار نظر آئے۔ میں نے کپڑا ہلا کر انہیں اس طرح متوجہ کیا تو وہ بڑی تیزی سے میری طرف آئے اور پوچھا: ”ابے اللہ کی بندی! کیا بات ہے؟“
میں نے کہا: ”مسلمانوں میں سے ایک مرد داعی اجل کو لبیک کہنے والا ہے کیا تم اسے کفن دے سکتے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”وہ کون ہے؟“

میں نے کہا: ”ابو ذر رضی اللہ عنہ“

کہا: ”وہی ابو ذر جو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں؟“

میں نے کہا: ”ہاں! وہی ابو ذر جو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔“

یہ سنتے ہی وہ کہنے لگے: ”ہمارے ماں باپ ان پر قربان! وہ عظیم ہستی کہاں ہے؟“

میں نے انہیں بتایا تو وہ آپ رضی اللہ عنہ کی طرف تیزی سے لپکے اور حاضر خدمت ہو کر

سلام عرض کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیتے ہوئے انہیں ”مرحبا“ کہا اور فرمایا: ”تمہیں

خوش خبری ہو! میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”کوئی بھی دو مسلمان

جن کے دو یا تین بچے فوت ہو جائیں اور وہ اس پر صبر کریں اور اجر کی امید رکھیں تو وہ کبھی

بھی جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔“

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گروہِ مسلمین سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے جس میں میں بھی

موجود تھا: ”تم میں سے ایک شخص صحرا میں وفات پائے گا اور مومنین کا ایک قافلہ اس کے

پاس پہنچ جائے گا۔“ (الرجح السابق)

اب میرے علاوہ ان میں سے کوئی زندہ نہیں ان میں سے ہر ایک یا تو آبادی میں

فوت ہوا یا پھر کسی بستی میں اب میں ہی وہ اکیلا شخص ہوں جو صحرا میں انتقال کر رہا ہوں۔

اللہ کی قسم! نہ میں نے جھوٹ بولا اور نہ ہی مجھے جھوٹ بتایا گیا جب میں مر جاؤں اور میرے پاس یا میری زوجہ کے پاس کفن کا کپڑا ہو تو مجھے اسی میں کفنا دینا اور اگر کفن کا کپڑا نہ ملے تو میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ تم میں سے جو شخص حکومتی عہدے دار ہو یا کسی امیر کا دربان ہو یا کسی بھی حکومتی عہدے پر ہو تو وہ مجھے ہرگز ہرگز کفن نہ دے۔ اتفاق کی بات تھی کہ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی حکومتی عہدے پر رہ چکا تھا یا ابھی عہدے پر قائم تھا۔ صرف ایک انصاری نوجوان بچا جو کسی طرح بھی حکومت کا نمائندہ نہ تھا۔ وہ نوجوان آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ”میرے پاس ایک چادر اور کپڑے ہیں جنہیں میری والدہ نے کاٹ کر بنایا ہے، میں انہیں کپڑوں میں آپ ﷺ کو کفن دوں گا۔“

آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! تم ہی مجھے کفن دینا۔“
پھر آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا تو اسی انصاری نوجوان نے کفن دیا اور نماز جنازہ کے بعد آپ ﷺ کو وہیں دفن دیا گیا۔“ (عیون الحکایات)

کبھی اے نوجوان مسلم تدبیر بھی کیا تو نے

بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے زمانہ میں دو بھائی تھے۔ ایک مومن اور دوسرا کافر اور وہ دونوں بھائی دریا کے شکاری تھے۔ چنانچہ کافر بت کو سجدہ کرتا تھا لیکن جب وہ جال دریا میں پھینکتا تھا تو مچھلیوں سے بھر جاتا تھا حتیٰ کہ اس کا نکالنا اس پر بھاری ہوتا تھا اور مسلمان کی یہ حالت تھی کہ جب وہ اپنا جال دریا میں ڈالتا تھا تو اس میں صرف ایک مچھلی پھنستی تھی۔ وہ اللہ کی تعریف اور اس کا شکر کرتا تھا اور قضائے الہی اور تقدیر خداوندی پر صابر تھا۔ ایک دن اس کی بیوی اپنے مکان کی چھت پر چڑھی اور اپنے شوہر کے کافر بھائی

کی بیوی کو دیکھا کہ وہ زیوروں اور لباسوں سے آراستہ ہے اس کا دل اس میں مشغول ہو گیا۔ شیطان نے اس کو وسوسہ دیا اور بہکایا۔ چنانچہ کافر کی بی بی نے اس سے کہا: ”تو اپنے شوہر سے کہہ کہ وہ میرے شوہر کے معبود کی پوجا کرے یہاں تک کہ تیرے پاس بھی میرے برابر مال ہو جائے۔“

وہ عورت غمگین ہو کر چھت سے نیچے اتری اس کے بعد اس کا مومن شوہر اس کے پاس گھر کے اندر آیا تو اس کو ایسی حالت میں پایا کہ اس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ اس نے عورت سے کہا: ”تیرا کیا حال ہے؟“

اس نے اپنے شوہر سے کہا: ”تم مجھے طلاق دو یا اپنے بھائی کے معبود کی پوجا کرو۔“ اس کے جواب میں شوہر نے اس سے کہا: ”اے اللہ کی لوٹھی! کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتی؟ کیا تو ایمان کے بعد کفر کرتی ہے؟“

عورت نے اس سے کہا: ”مجھ سے زیادہ باتیں نہ کرو میں تنگی نہ رہوں گی حالانکہ میرے علاوہ عورتیں یعنی تیرے بھائی کی بی بی زیوروں اور لباسوں سے آراستہ ہیں۔“ جب بندہ مومن نے اس کی بات میں اصرار دیکھا تو اس سے کہا: ”تو بے قرار نہ ہو ان شاء اللہ میں کل کاریگروں کے مقام میں جاؤں گا اور ہر روز دو درہم کمائوں گا وہ تیرے پیش نظر کروں گا تا کہ تو ان سے اپنی حالت درست کر لے۔“

چنانچہ وہ عورت اس پر راضی ہو گئی اور جو کچھ اس کو رنج و غم تھا اس کو سکون ہو گیا اس کے بعد وہ مرد مومن سویرے ہی کاریگروں کے گھر اور مقام میں آیا اور ان کے درمیان میں بیٹھا لیکن اس کو کسی نے کام کے واسطے نہ لیا پس جب وہ کام لینے والے سے مایوس ہوا تو دریا کے کنارے گیا اور رات تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر اپنے گھر واپس آیا تو اس کی بی بی نے اس سے کہا: ”تم کہاں تھے؟“

اس نے جواب دیا: ”میں بادشاہ کے پاس تھا اور اس نے مجھ سے تیس دن کے کام کی شرط لی ہے۔“ عورت نے اس سے کہا: ”بادشاہ تم کو کیا دے گا؟“

اس نے عورت سے کہا: ”بادشاہ کریم ہے اور اس کے خزانے بھرے ہیں وہ مجھے وہی دے گا جو میں چاہتا ہوں۔“

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کی یہ حالت ہوئی کہ ہر دن اپنے مقام میں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگا یہاں تک کہ تیسویں رات آئی اس کی عورت نے اس سے کہا: ”اگر تم کل مزدوری نہ لاؤ گے تو تم پر مجھے طلاق دینا لازم ہوگا۔“

چنانچہ وہ مرد مومن اس بات سے ڈرتا ہوا گھر سے نکلا۔ پس اس نے ایک یہودی کو پایا اور اس سے کہا: ”کیا تم مجھے مزدوری پر رکھتے ہو؟“ یہودی نے کہا: ”ہاں!“

لیکن یہودی نے مرد مومن سے یہ شرط لی کہ وہ اس کے پاس کچھ نہ کھائے۔ چنانچہ اس نے اس دن روزہ رکھا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اتنیس اشرفیاں ایک نور کے طباق میں رکھو اور اس کو اس مومن کی بی بی کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ میں بادشاہ کا قاصد ہوں اور اس نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے اور وہ تجھ سے کہتا ہے کہ تیرا شوہر ہمارے کام میں تھا اور ہم نے اس کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ اس نے ہم کو چھوڑا اور یہودی کے پاس چلا گیا اور یہی اسی وجہ سے ہے اور اگر وہ ہمارا کام زیادہ کرتا تو ہم اس کو زیادہ دیتے۔ اس کے بعد عورت نے ان اشرفیوں میں سے ایک اشرفی لی اور اس کو بازار لے گئی لوگوں نے اس ایک اشرفی کی قیمت میں ایک ہزار درہم دیئے کیونکہ اس پر لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لکھا ہوا تھا شام کو جب وہ مرد مسلمان اپنے گھر آیا تو اس کی بی بی نے اس سے کہا: ”اے شخص! تم کہاں تھے؟“

اس نے کہا: ”میں ایک یہودی مرد کے کام میں تھا۔“

عورت نے کہا: ”اے مسکین! تم بادشاہ کی خدمت ترک کر کے دوسرے کی خدمت کیوں کرتے ہو؟“

اس کے بعد عورت نے واقعہ گزشتہ کی اس کو اطلاع دی۔ وہ مرد مومن رو یا حتیٰ کہ اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی جب اس کو ہوش آیا تو اس نے اپنی بی بی سے کہا: ”میں نے

بادشاہ دو جہاں کی خدمت اور بندگی کا حق اپنے اوپر لازم نہ کیا۔“
پھر اس نے عورت کو چھوڑ دیا اور پہاڑوں کے اطراف میں چل دیا اور اللہ تعالیٰ کی
عبادت کی یہاں تک کہ وہ مر گیا اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے۔

(انوار محبوبی ترجمہ نوادر تلیوبی)

نجدی ذہنیت کا رد

مدینہ منورہ کا اموی گورنر مروان بن الحکم روضہ منورہ کے پاس حاضر ہوا تو یہ دیکھا
کہ ایک شخص قبر انور سے چمٹا ہوا پڑا ہے۔ مروان نے اس کی گردن پکڑ کر اٹھایا اور
کہا: ”اے شخص! تجھے کیا خبر ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟“
تو اس شخص نے سر اٹھا کر جواب دیا: ”ہاں! میں جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں۔
اے مروان! میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ میں رسول اللہ ﷺ کے دربار میں
حاضر ہوں۔ اے مروان! جب دین دار لوگ والی بنیں تو رونے کی ضرورت نہیں ہے
لیکن جب نا اہل لوگ دین کے والی بنیں تو رونا چاہیے۔“

مروان یہ گرم گرم جملے سن کر خاموشی کے ساتھ چلا گیا۔ مطلب بن عبد اللہ کہتے ہیں
کہ یہ بزرگ جنہوں نے مروان گورنر کو جھنجھوڑ کر ڈانٹ دیا وہ جلیل القدر صحابی حضرت
ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ (وقاء الوقاص ۱۳۰۲)

اوپر ذکر کی ہوئی حکایت اور چند صفحات پہلے بیان کی گئی امام مالک اور خلیفہ منصور کی
حکایت میں بڑے بڑے ایمان افروز روح پرور نتائج کی تجلیاں ہیں۔

☆..... حضرت امام مالک خلیفہ کے جاہ و جلال اور رعب و داب سے بال برابر بھی
مرعوب نہیں ہوئے اور دربار رسول میں ادب کی کمی دیکھ کر ٹپ گئے اور منصور کو ڈانٹ کر
چپ کرادیا اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ پر بھی بنو امیہ کے ظالم گورنر کی ہیبت کا کوئی

اثر نہیں پڑا اور آپ نے اس کے منہ پر انتہائی جرأت و بے باکی سے کلمۃ الحق سنا کر اس کو ڈانٹ کر جھنجھوڑ ڈالا بلاشبہ ان دونوں بزرگوں کے اسوۂ میں تمام امت رسول کے لیے بہت بڑا درس ہے کہ کلمۃ الحق کہنے اور شریعتِ مطہرہ کے مسائل کو علی الاعلان بیان کرنے میں کسی گورنریا بادشاہ کا خوف دامن گیر نہیں ہونا چاہیے مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کا کام نہیں اس افضل الجہاد کی فضیلت سے وہی شخص سرفراز ہو سکتا ہے جس کے سر پر رب العزت خوش نصیبی کا تاج رکھ دے اور جذبۂ ایمانی و جوشِ اسلامی کی دولتِ لازوال سے مالا مال ہو جائے اور کلمۃ الحق کہہ دینے کی پاداش میں اپنا سر کٹا دینے کو اپنے سر کی معراج سمجھتا ہو

یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجد یو

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اے منصور! تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کر کے ان کو دربارِ خداوندی میں اپنا شفیع بنا کر خدا سے دعا مانگو کیونکہ رحمتِ عالم کی ذاتِ اقدس تم تو کیا تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ ہیں۔“

سبحان اللہ! کس قدر ایمان افروز تعلیم آپ نے خلیفہ منصور کو دی اور اس مسئلہ کو قیامت تک کے لیے حل کر دیا کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں روضہ انور کے مواجہہ اقدس میں دعا مانگنے کا مؤدب طریقہ یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کر کے دعا مانگے کیونکہ اس جگہ کعبہ مکرمہ کی طرف منہ کرنے سے قبر انور کی طرف پشت ہو جاتی ہے جس کو محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرا ہوا دل کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ہم نے بارہا مدینہ منورہ میں قیام کر کے پچشم خود دیکھا کہ عرب و عجم حل و حرم کے تمام اکابر علماء و مشائخ قبر انور ہی کی طرف منہ کر کے دعائیں مانگتے ہیں ہاں البتہ منحوس نجدیوں اور ہندوستان کے چند کھوسٹ وہابیوں کو دیکھا کہ یہ لوگ خود بھی روضہ اقدس کی طرف پیٹھ کر کے دعائیں

مانگتے ہیں اور دوسروں کو بھی سوادب کا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ پر ایک نجدی سے بحث ہو تو وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔

کاش! اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے یہ دو شعر ان کو ریتوں کے لیے ذریعہ

ہدایت بنیں

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو
واللہ ذکر حق نہیں کنجی ستر کی ہے
بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا۔ غلط غلط یہ ہوں بے بصر کی ہے

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے مروان گورنر کو ڈانٹ کر جھڑک دیا اور یہ فرمایا:

”میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں

حاضر ہوا ہوں۔“

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر ”ہمیشہ کے لیے اس مسئلہ پر مہر تصدیق ثبت فرمادی

کہ روضہ انور پر حاضری دینے والا یہ یقین و ایمان رکھے کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر

ہوا ہوں اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور میں اور میرے سب اعمال

ان کے پیش نظر ہیں اس لیے ہر زائر قبر انور کے پاس وہی ادب و احترام اور تعظیم و تکریم

ملاحظہ رکھے جو صحابہ کرام علیہم الرضوان بارگاہ نبوت میں حاضر ہونے کے وقت ملحوظ رکھتے

تھے کیونکہ آج بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام لوازم حیات کے ساتھ اسی طرح زندہ اور

اپنی امت کے اعمال و احوال سے باخبر ہیں کہ ہر شخص قبر منور کے پاس پورے یقین و

اعتقاد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ:

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ

مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

پھر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے نجدیوں کے اس عقیدے کی دھجیاں اڑانے میں کوئی کسر نہیں اٹھارکھی کہ مدینہ کے سفر کے وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کی نیت کرے۔ روضہ منورہ کی حاضری کی نیت نہ کرے۔

حضرت ابو ایوب انصاری نے صاف صاف فرمادیا: ”میں اینٹ اور پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ خاص دربار رسالت کی حاضری کے قصد و نیت سے یہاں آیا ہوں۔“

سبحان اللہ! صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان افروز والہانہ محبت کا کیا کہنا۔ خداوند قدوس ہر مسلمان کے قلب و دماغ میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہی آفتاب و ماہتاب روشن فرمادے جس سے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال نور ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائے اور قبر انور کے پاس حاضر ہوتے ہی دو شعر و زببان ہو جائیں کہ

اللہ اکبر! اپنے قدم اور یہ خاکِ پا
حسرتِ ملائکہ کو جہاں وضع سر کی ہے
معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائر
کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک در کی ہے

(روحانی حکایات)

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

جنگِ بدر میں جب مشرکین مکہ اسلام اور مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

قَوْمُوا إِلَى جَنَّةِ عَرْضِهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ

”جنت کی طرف اٹھ کھڑے ہو جس کی چوڑائی سارے آسمان اور زمین ہیں۔“

یہ سن کر حضرت عمیر بن حمام انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!

کیا (شہادت کے عوض) آسمانوں اور زمین کی چوڑائی کے برابر جنت ہے؟“
 رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ہاں!“ حضرت عمیر بن حمام کہنے لگے: ”بخ بخ“
 رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا: وَمَا يُحْمِلُكَ عَلَىٰ قَوْلِكَ بَخٍ بَخٍ؟“
 ”بخ بخ کہنے پر تجھے کس بات نے ابھارا؟“

حضرت عمیر بن حمام نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! قسم اللہ کی میں نے
 یہ جنت کی امید میں کہا ہے۔“ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:
 فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا۔ ”تم جنت والوں میں سے ہو۔“

اس کے بعد حضرت عمیر بن حمام اپنے ترکش سے کھجوریں نکال کر کھانے لگے پھر
 شوقِ شہادت میں کہنے لگے: لَسِنُ أَنَا حَيِّتٌ حَتَّىٰ أَكُلَ تَمْرَاتِي هَذِهِ إِنَّهَا لَحَيَاةٌ
 طَوِيلَةٌ۔ ”اگر میں ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہوں تو یہ بڑی ہی طویل زندگی ہو
 جائے گی۔“ چنانچہ انہوں نے بقیہ ساری کھجوریں پھینک دیں اور آگے بڑھ کر مردانہ وار
 جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (مسلم: کتاب الامارۃ / باب ثبوت الجریۃ للشہید ۱۹۰۱)

عجب خیر خواہی کا نظارہ

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ) کے ماموں اور ان کے استاذ
 حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کی انسانی خیر خواہی کا ایک عجیب اور باسند واقعہ حافظ ابو نعیم نے
 حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے: ”احمد بن عمر خلکانی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید کے روز حضرت
 سری سقطی رضی اللہ عنہ میرے ساتھ مسجد سے باہر نکلے۔ رستے میں ایک بزرگ اور جلیل القدر
 آدمی سے ان کی ملاقات ہوئی تو آپ نے ان سے سلام دعا کی مگر انتہائی اختصار کے
 ساتھ۔ سلام میں بزرگوں کے واسطے جو ”ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ وغیرہ کے الفاظ بڑھائے
 جاتے ہیں وہ آپ نے نہ بڑھائے اور نہ کوئی زیادہ خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ سلام

دے کر آگے گزر گئے۔ میں (احمد بن عمر) نے عرض کیا: ”حضور! کیا آپ نے اس آدمی کو پہچانا نہیں؟ یہ فلاں بزرگ اور جلیل المرتبہ آدمی ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔“

میں نے عرض کیا: ”تو آپ نے سلام میں کمی کیوں کی؟“ فرمانے لگے۔
 ”کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی ایک روایت ہے کہ جب دو مسلمان آدمی باہم ملتے ہیں اور ایک دوسرے سے سلام دعا اور مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ کی طرف سے سورتیں ان پر نازل ہوتی ہیں جن میں سے نوے رحمتیں اس آدمی پر نازل ہوتی ہیں جو زیادہ خندہ پیشانی سے اور ہشاش بشاش طریقے سے پیش آتا ہے تو میں نے چاہا کہ زیادہ رحمتیں ان بزرگ کے حصے میں آجائیں۔“

(ابو نعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ: حلیۃ الاولیاء ج ۲، ص ۱۲۳-۱۲۴، طبع مصر رسالہ قشیریہ، ص ۳۸۹)

عیسائی کے لئے دعا

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ ایک روز اپنے مریدین کو لے کر باہر نکلے اس وقت آپ کے ساتھ چالیس آدمی تھے۔ آپ نے فرمایا:
 ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو رزق پہنچانے کا کفیل ہو چکا ہے۔“

چنانچہ ارشاد ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ

”کوئی اللہ سے ڈرے تو اللہ اس کی خلاصی کی صورت پیدا کر دیتا ہے اور اس

کو وہاں سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو اور جو اللہ پر

توکل کرے اللہ اسے کافی ہے۔“

لہذا تم سب اللہ پر توکل کرو اور اسی کی طرف دھیان کرو اور کسی کا خیال نہ کرو۔ یہ فرما

کر نہیں وہیں چھوڑا اور آپ چل دیئے۔ تین دن تک یہ لوگ وہیں رہے لیکن ان پر کوئی بھید

نہ کھلا جب چوتھا روز ہوا شیخ تشریف لائے اور فرمایا: ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے (روزی تلاش کرنے کو) سبب پیدا کرنا مباح کر دیا اور اس کی اجازت دے دی۔“ چنانچہ اسی کی بابت ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَأَمْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ .

بس چاہیے کہ تم اپنے میں سے ایک آدمی جسے سچا سمجھتے ہو اسے بھیج دو۔ امید ہے کہ وہ تمہارے لیے کچھ کھانے کے لیے لے آئے گا۔ چنانچہ انہوں نے (اس کام کے لیے) ایک کو پسند کر کے جو سب میں زیادہ غریب تھا، بھیجا وہ وہاں سے چل کر بغداد میں پہنچا اور وہاں پھرتا رہا۔ معاش کی کوئی صورت اس سے نہ بنی اور بھوک کی وجہ سے نوبت یہ ہو گئی کہ چلنے سے مجبور ہو کر ایک نصرانی ڈاکٹر کے شفا خانہ کے سامنے بیٹھ گیا اس ڈاکٹر کے پاس بہت مخلوق آتی تھی اور وہ سب کا حال خود بتا دیتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی نگاہ اس فقیر پر پڑ گئی اس نے پوچھا: ”تمہیں کیا تکلیف ہے؟“

اس نے اسے نصرانی سمجھ کر اپنی بھوک کی کیفیت کہنی مناسب نہ سمجھی۔ (نبض دکھانے کے لیے) اپنا ہاتھ آگے کر دیا اس نے نبض دیکھ کر کہا: ”میں نے تمہارے مرض کو بھی تشخیص کر لیا ہے اور اس کی دوا بھی سمجھ گیا ہوں۔ (تم اطمینان سے بیٹھے رہو)۔“

پھر اپنے غلام سے کہا: ”نور بازار جاؤ اور آدھا سیر روٹی اور اسی قدر ہی قیمہ اور اتنا ہی حلوا لے آؤ۔“

غلام بازار گیا اور یہ اشیاء لے آیا۔ نصرانی نے لے کر خود اس فقیر کو دی اور یہ کہہ دیا: ”میرے خیال میں تو تمہارے مرض کی بس یہی دوا ہے۔“

فقیر نے کہا: ”اگر تم اپنی طبابت میں سچے ہو تو مہربان چالیس اور آدمیوں کو یہی مرض ہے۔“

نصرانی نے غلام سے کہا: ”اچھا پھر جلدی سے بازار جاؤ اور ایسا ہی کھانا چالیس

آدمیوں کا اور لے آؤ۔“

غلام لے آیا اور فقیر کو دے کر ایک قلی کو ساتھ لیا کہ جہاں یہ کہے ان کے ساتھ لے

جا۔ ادھر فقیر سے کہا: ”آپ جو اور فقیر بتاتے ہیں یہ ان کے پاس لے جائیے۔“

چنانچہ یہ فقیر اور اس کے ساتھ وہ قلی ان لوگوں کے پاس پہنچے اور ڈاکٹر بھی تھوڑے

فاصلے سے ان لوگوں کے پیچھے پیچھے رہا تا کہ فقیر کے سچا ہونے کو دیکھے جب اس غار میں

پہنچا جہاں اس کے ساتھی تھے تو ڈاکٹر دروازے کے باہر ایک روزن کے پیچھے کھڑا ہو گیا

اس نے وہ کھانا رکھا اور سب نے شیخ شبلی کو آواز دی اور سارا کھانا ان کے سامنے رکھ دیا۔

شیخ نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور فرمایا: ”اے فقیرو! اس کھانے میں تو عجیب بھید ہے۔“

پھر آپ اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے جو کھانا لایا تھا اور فرمایا: ”اس کھانے کا پورا

قصہ بیان کر کس طرح ہوا ہے؟“

اس نے سب قصہ بیان کیا: ”یا شیخ! ہم (غریب فقیر آدمی) اس کا عوض کس طرح

دے سکتے ہیں؟“

فرمایا: ”کھانا کھانے سے پہلے اس کے حق میں دعا کرو۔“

وہ نصرانی یہ سب قصہ سن رہا تھا جب اس نے دیکھا کہ یہ لوگ اس قدر بھوک کے

کھانا کھانے سے رُک گئے ہیں اور جو شیخ نے فرمایا تھا وہ سن لیا تو اس وقت دستک دی۔

انہوں نے دروازہ کھول دیا اس نے اندر جا کر اپنا جینو توڑ کر پھینک دیا اور کہا: ”اے شیخ!

ہاتھ بڑھاؤ! میں مسلمان ہوتا ہوں۔“

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

پھر تو نصرانی پکا مسلمان ہو کر شیخ شبلی رضی اللہ عنہ کے مریدوں میں ہو گیا۔

(نزہۃ البساتین اردو ترجمہ روضۃ الریاحین مصنفہ امام ابی محمد عبداللہ ابن سعد بخینی یافعی ص ۱۶۰ تا

۱۶۲ ترجمہ مولانا جعفر علی صاحب گلینوی مطبوعہ سعید کمپنی کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص سے دعا کروائی

حضرت سیدنا کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل قحط سالی میں مبتلا ہو گئے اس سال بارش بالکل نہ ہوئی۔ لوگ پریشانی کے عالم میں حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ”آپ ﷺ ہمارے لیے بارش کی دعا فرمائیں۔“

حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”تم لوگ میرے ساتھ فلاں پہاڑ کی طرف چلو۔“

چنانچہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ چل دیئے۔ آپ ﷺ نے پہاڑ پر چڑھ کر ارشاد فرمایا:

”تم میں سے کوئی بھی ایسا شخص میرے ساتھ نہ رہے جس نے کبھی کوئی گناہ کیا ہو۔“

یہ سن کر آدھے سے زیادہ لوگ واپس پلٹ گئے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا: ”جس سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہوا ہو وہ واپس پلٹ جائے۔“

سب واپس چلے گئے۔ ”برخ“ نامی شخص باقی بچا۔ جس کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم نے میری بات نہیں سنی؟“

عرض کی: ”حضور! میں آپ ﷺ کی بات سن چکا ہوں۔“

فرمایا: ”کیا تم سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا؟“

کہا: ”حضور! مجھ سے ایک فعل سرزد ہوا ہے۔ میں آپ ﷺ کے سامنے عرض کیے

دیتا ہوں اگر وہ گناہ ہے تو میں واپس چلا جاؤں گا۔“

آپ ﷺ نے فرمایا: ”بتاؤ! تم سے کون سا فعل سرزد ہوا ہے؟“

کہا: ”ایک مرتبہ میں ایک ایسے گھر کے قریب سے گزرا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اچانک میری نظر گھر میں موجود ایک شخص پر پڑی میں نہیں جانتا کہ وہ مرد تھا یا عورت۔ مجھے احساس ہوا تو میں نے اپنی آنکھ سے کہا: ”تو نے ایک غلط کام میں جلدی کی اب تو میرے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ میں نے اپنی وہ آنکھ نکال ڈالی اگر میرا دیکھنا گناہ تھا تو میں واپس چلا جاتا ہوں؟“

حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”تمہارا یہ فعل گناہ نہیں اب تم ہی اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرو۔“
یہ سن کر اس ”برخ“ نامی عابد نے دعا کے لیے ہاتھ بلند کر دیئے اور بارگاہِ خداوندی میں اس طرح عرض گزار ہوا:

”یا قدوس! یا قدوس! تیرے خزانوں میں کوئی کمی نہیں اگر تو کوئی چیز عطا فرما دے تو تیرے خزانوں میں کمی نہ ہوگی۔ مہرے مولیٰ! تو بخل سے پاک ہے، کوئی ایسی چیز نہیں جسے تو نہ جانتا ہو۔ میرے مولیٰ! ہمیں بارانِ رحمت سے سیراب کر دے۔“
ابھی دعا ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ چھما چھم رحمت کی برسات ہونے لگی ہر طرف جل تھل ہو گیا اور یہ دونوں حضرات بارش میں بھگتے ہوئے واپس پلٹے۔

(عیون الحکایات)

نیکی کا اجر و ثواب

بیان کرتے ہیں کہ ایک فقیر عاشورہ محرم کے دن قاضی کے پاس آیا اور اس سے کہا: ”اللہ تعالیٰ قاضی کو عزت دے، میں ایک فقیر بال بچہ دار آدمی ہوں اور تیرے پاس اس دن کو سفارشی لے کر آیا ہوں کہ تو مجھے ایک من (من دور طل کا ہوتا ہے اور ایک رطل

تقریباً آدھ سیر کا ہوتا ہے) روٹی کا دس من گوشت اور دو درہم دے تاکہ میں آج کے دن اپنے بچوں کا پیٹ بھروں اور تیرے واسطے اللہ کے نزدیک جزائے خیر ہوگی۔“

چنانچہ قاضی نے ظہر تک کا اس سے وعدہ کیا جب ظہر کا وقت آیا اور وہ فقیر اس کے پاس پھر آیا تو اس نے عصر تک کا وعدہ کیا پھر جب عصر کا وقت آیا تو وہ بے چارہ قاضی کے پاس پھر آیا اس کے بچوں کی گھر میں یہ حالت تھی کہ بھوک سے ان کے کلیجے پگھل گئے تھے۔ پس قاضی نے اس سے مغرب کا وعدہ کیا۔ چنانچہ وہ مغرب کے وقت اس کے پاس پھر گیا اس کے بعد قاضی نے اس سے کہا: ”میرے پاس کوئی چیز ایسی نہیں جو میں تجھ کو دوں وہ فقیر شکستہ دل روتا ہوا اپنے بچوں سے خوف زدہ واپس آیا اور اس کو غم اور ڈر اس کا تھا کہ بچوں کو کیا جواب دوں گا۔ وہ اسی حالت میں غم و خوف میں روتا ہوا ایک نصرانی کے پاس سے گزرا اور وہ اپنے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ نصرانی نے اس کو روتا ہوا دیکھا تو اس سے کہا: ”اے شخص! تیرا رونا کیسا ہے اور تو کیوں روتا ہے؟“ اس نے اس کو جواب دیا: ”میرا حال نہ پوچھو۔“

اس پر نصرانی نے اس سے کہا: ”میں تجھ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ مجھے اپنے حال کی خبر دے۔“

چنانچہ فقیر نے قاضی کا حال اس سے بیان کیا اس کے بعد نصرانی نے اس سے کہا: ”تیرے نزدیک یہ دن کیا اور کیسا ہے؟“ پس فقیر نے اس سے کہا: ”یہ غاشورہ محرم کا دن ہے۔“

اور اس کے ساتھ فقیر نے اس دن کی کچھ برکتیں بیان کیں (یہ سن کر) نصرانی کو رحم آیا اس نے فقیر کو اس سے زیادہ دیا جو اس نے روٹی اور گوشت کی مقدار کہی تھی اور اس نے فقیر کو دو درہموں سے اوپر بیس درہم اور دیئے اور اس سے کہا: ”اس کو لو اور اس دن کی بزرگی کی وجہ سے جو اللہ نے اس کو بزرگی دی ہے تیرے بچوں کے واسطے ہر مہینے میں مجھ پر اسی قدر لازم ہے۔“

چنانچہ وہ فقیر اپنے بچوں کے واسطے ان چیزوں کو شاداں و فرحاں لے گیا جب اس کے بچوں نے اس کو دیکھا تو بہت ہی خوش ہوئے پھر انہوں نے اپنی بلند آوازوں سے ندا دی اور دعا کی: ”اے ہمارے معبود! جس نے ہم کو خوش کیا ہے تو اس کو جلد سے جلد اپنی خوشی ظاہر کر کے خوش کر۔“

پس جب رات ہوئی اور قاضی سویا تو اس نے منادی غیب کی آواز سنی کہ اس سے کہتا ہے: ”اپنا سر اٹھا۔“

چنانچہ اس نے سر اٹھایا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہے کہ دو محل ایسے ہیں جو ایک اینٹ سونے اور ایک اینٹ چاندی سے بنے ہوئے ہیں۔ قاضی نے کہا: ”اے میرے اللہ یہ دونوں محل کس کے واسطے ہیں؟“

اس کو جواب دیا گیا: ”بلاشک یہ دونوں تیرے لیے تھے بشرطیکہ تو نے فقیر کی حاجت پوری کی ہوتی۔ جب تو نے اس کو ناکام واپس کر دیا تو اب یہ فلاں نصرانی کے لیے ہو گئے۔“

اس کے بعد قاضی ڈرتا ہوا اور ہائے خرابی اور ہلاکت کہتا ہوا خواب سے بے دار ہوا اور اس نصرانی کی طرف چلا اس سے کہا: ”تو نے شب گزشتہ کو نیکی کی ہے؟“

نصرانی نے اس سے کہا: ”تیرا یہ سوال کیوں ہے؟“

چنانچہ قاضی نے جو خواب میں دیکھا تھا اس سے بیان کیا پھر نصرانی سے کہا: ”جو نیکی تم نے کل کی رات میں فقیر کے ساتھ کی ہے اس کو میرے ہاتھ ہزار درہم پر بیچ دو۔“

نصرانی نے اس سے کہا: ”میں زمین بھر سونے کے عوض بھی اس کو نہ بیچوں گا لیکن اے قاضی تم کو اس پر گواہ بناتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی معبود برحق نہیں ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

پس اللہ تعالیٰ نے نیکی اور زیادتی (حسنی و زیادہ) کے ساتھ اس کا خاتمہ کیا اور اس کو

کلمہ شہادت پر موت دی۔ اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو سیراب کرے اور اس کا مقام جنت میں بنائے۔ (انوار محبوبی ترجمہ نوادر قلیوبی)

امام اعمش اور ابن طاؤس

بنو امیہ کے بادشاہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے ایک معتمد خاص کے ساتھ ایک شاہی فرمان امام الحدیث حضرت اعمش کے پاس اس مضمون کے ساتھ بھیجا: ”آپ حضرت امیر المومنین جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خوبیاں اور حضرت امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کی برائیاں لکھ کر میرے پاس روانہ کیجیے۔“

امام اعمش نے سلطان کا خط پڑھ کر ایک بکری کے منہ میں دے دیا جب بکری خط کو چبا چکی تو آپ نے شاہی قاصد سے فرمایا: ”بادشاہ سے کہہ دینا کہ یہی اس کے شاہی فرمان کا جواب ہے۔“

سلطانی قاصد گڑگڑا کر کہنے لگا: ”حضرت! ہمیں تو آپ سے تحریری جواب لانے کا حکم ہے اگر ہم خالی ہاتھ لوٹے تو ہماری جان کی خیر نہیں۔“

قاصد کی گریہ زاری اور بے قراری دیکھ کر آپ کو رحم آ گیا تو آپ نے یہ خط تحریر فرما کر قاصد کے حوالے کر دیا۔

”اے امیر المومنین! اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں تمام دنیا بھر کی خوبیاں تھیں تو تجھ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ میں جہاں بھر کی خوبیاں تھیں تو اس سے تجھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا لہذا تو خاص اپنے نفس کی خبر لے اور اپنے اچھے برے عمل کی فکر کر۔“ (ابن خلکان ج ۱ ص ۲۱۳)

☆..... خلیفہ بغداد ابو جعفر منصور نے مشہور امام احمد بن محمد بن طاؤس کو دربار شاہی میں بلایا اس وقت دربار میں چند جلاوطنی تلواریں لیے کھڑے تھے جو بادشاہ کے حکم

سے لوگوں کا سراڑا دیتے تھے۔ خلیفہ نے عبداللہ بن طاؤس سے فرمائش کی کہ آپ اپنے والد کی سند سے کوئی حدیث سنائیے۔ اس فرمائش سے عبداللہ بن طاؤس کو گویا ایک بہترین موقع ہاتھ لگا کہ خلیفہ کو اس کی بے اعتدالیوں پر کچھ تنبیہ فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے اس وقت منتخب کر کے یہ حدیث سنائی:

أَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ رَجُلٌ أَشْرَكَ اللَّهُ تَعَالَى فِي سُلْطَانِهِ فَأَدْخَلَ عَلَيْهِ الْجَوْنُ .

”قیامت کے دن سب سے بڑھ کر اس شخص کو عذاب ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت میں سے ایک حصہ عطا فرمائے پھر وہ ظلم کرے۔“

خلیفہ منصور جیسے ظالم و سفاک بادشاہ کے سامنے جلادوں کی موجودگی میں عبداللہ بن طاؤس کی یہ مجاہدانہ جرأت ایمانی دیکھ کر پورا دربار دہل گیا اس وقت حضرت امام مالک بھی دربار میں موجود تھے ان کا بیان ہے: ”مجھے عبداللہ بن طاؤس کے قتل کا پورا پورا یقین ہو گیا۔ چنانچہ میں نے اپنے دامن کو سمیٹ لیا کہ کہیں ان پر خون کے قطرات نہ پڑ جائیں۔ منصور تھوڑی دیر خاموش رہا اور دربار میں سناٹا چھا گیا مگر اس خوف ناک وقت میں بھی عبداللہ بن طاؤس کی پیشانی پر کوئی بل نہیں آیا اور وہ سکون و اطمینان کا پہاڑ بنے بیٹھے رہے پھر منصور نے عبداللہ بن طاؤس کو حکم دیا کہ آپ ذرا دوات اٹھا کر مجھے دیجیے تو آپ نے نہایت بے رُخی کے ساتھ انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا: ”مجھے ڈر ہے کہ تم اس دوات سے کوئی گناہ کی تحریر لکھو گے تو میں بھی تمہارے اس گناہ میں شامل ہو جاؤں گا۔“

یہ سن کر منصور مارے غصے کے سرخ ہو گیا پھر قہر آلود نگاہوں سے عبداللہ بن طاؤس اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہما کی طرف دیکھ کر بولا: قَوْمًا عَنِّي .

”تم دونوں میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔“

عبداللہ بن طاؤس بادشاہ کے قہر و غضب سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ فرمایا: ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبِغُ .

یہی تو ہماری عین مراد ہے اور اٹھ کر چل دیئے۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس دن سے میں عبداللہ بن طاؤس کے فضل و کمال کو مان گیا۔ (مسطف ج ۱ ص ۷۹) مذکورہ بالا حکایات میں خواجہ حسن بصری، امام اعظم، امام عبداللہ بن طاؤس کا گورنروں اور بادشاہوں کے مقابلے میں یہ مجاہدانہ اعلانِ حق اور انتہائی بے خوفی کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا دورِ حاضر کے مصلحت اندیش اور مال داروں کی چا پلوسی کرنے والے مولویوں کے لیے تازیانہٴ عبرت ہے۔ غور فرمائیے کہ ان حق گو، حق شناس اور حق پرست علماء سلف نے ظالم بادشاہوں کے مقابلہ میں اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر جس طرح حق کا بول بالا کیا ہے یہ جوشِ ایمانی اور جذبہٴ ایمانی کی فراوانی یہ سرفروشانہ استقامت و استقلال اس حقیقت کی نشانی نہیں ہے کہ علمائے حق ملتِ اسلامیہ کی عمارت کے ستون اور حریتِ اسلام کی سلطنت کے تاج دار تھے۔ خدا شاہد ہے کہ ان علمائے حق کا ہی کارنامہ ہے کہ آج تک بڑے بڑے ظلم و عدوان اور ضلالت و طغیان کے طوفان میں بھی ملتِ اسلامیہ کا جہاز غرقاب ہونے سے بچا رہا اور لاندہ بیت اور بے دینی کی بڑی سے بڑی خوف ناک آندھیوں میں بھی نورِ اسلام کا چراغ روشن ہی رہا۔ خداوندِ قدوس ان علمائے حق اور مردانِ احرار کی مقدس قبروں کو گلزار بنائے کہ ان باخدا بزرگوں نے حریتِ اسلام کا جوشاہکار پیش کر دیا، قیامت تک کی گردشِ لیل و نہار بھی اس کے نقش و نگار کو نہیں مٹا سکتی۔ سبحان اللہ سچ ہے

وہی ہے بندہٴ حرجس کی ضرب ہے کاری
 نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری
 زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
 انہیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

(روحانی حکایات)

کار بد تو خود کرے، لعنت کرے شیطان پر

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو ۵۸۳ء میں مکہ میں پیدا ہوئے اور ۶۳۴ء میں مدینہ منورہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ کی کنیت ابو حفص تھی۔ جرأت و بے باکی کا مجسمہ تھے۔ سچی بات علی الاعلان کہہ دیتے تھے۔ آپ ساڑھے دس سال منصب خلافت پر مامور رہے۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت آپ کے عہد کا زریں کار نامہ ہے۔ آپ اسلام کے اتنے بڑے جرنیل تھے کہ آپ نے اپنے عہد کی دو عظیم سلطنتوں ایران اور روم کو شکست فاش دے کر اسلام کا پرچم دُور دُور تک لہرا دیا۔ آپ کی صفات و حسنات بے پایاں ہیں۔ ان کے تذکرے کے لیے ایک ضخیم کتاب بھی ناکافی ہے۔ اعمال بدل جانے سے نتائج بھی بدل جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان اور حسن عمل کی جس معراج پر تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ساری دنیا کی باطل قوتیں ان کے آگے سرنگوں ہو گئیں۔ آج ہم اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں کو چھوڑ کر ذلت و ہلاکت کی جس انتہا کو پہنچ گئے ہیں، وہ سراسر ہمارے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اس میں کسی دوسرے کا کیا قصور؟

یوں ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر

کار بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پر

پیا ہے دودھ جن لوگوں نے غیرت والی ماؤں کا

ایک رات امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے خادم کے ساتھ گشت کے لیے نکلے وہ مدینے کی گلیوں میں لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے گھومتے پھرتے رہے۔ چلتے چلتے انہیں تھکاوٹ محسوس ہوئی، وہ ایک گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر آرام کی غرض سے کھڑے ہو گئے، اتنے میں صبح بھی روشن ہو گئی۔

اس گھر کے اندر سے ایک بوڑھی عورت کی آواز آرہی تھی، وہ اپنی بیٹی کو دودھ میں پانی ملانے کا حکم دے رہی تھی لیکن لڑکی ماں کے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر رہی تھی۔ وہ

کہہ رہی تھی: ”امیر المومنین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہوا ہے اور بذریعہ منادی اس کا اعلان بھی کر دیا ہے۔“

ماں نے بیٹی سے کہا: ”کیا اس وقت عمر تمہیں دیکھ رہا ہے جو تم اس سے ڈر رہی ہو؟“

لڑکی نے جواب دیا: ”وَإِنْ لَمْ يَكُنْ عُمَرُ يَرَانَا فَإِنَّ رَبَّ عُمَرَ يَرَانَا۔“

”اگر عمر ہمیں نہیں دیکھ رہا تو کیا ہوا عمر کا رب تو یقیناً ہمیں دیکھ رہا ہے۔“

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس نوجوان لڑکی کی دین داری اور امانت داری سے

بہت مسرور اور متاثر ہوئے۔ غلام سے فرمایا: ”اس گھر کو نظر میں رکھو۔“

دن چڑھے اس لڑکی کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے بتایا: ”وہ سفیان بن عبد اللہ

ثقفی رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام عمارہ ہے۔“

جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ابھی کنواری ہے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام

بیٹوں کو بلوایا اور پوچھا: ”تم میں سے کون اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے؟“

ان کے بیٹے عاصم کہنے لگے: ”میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔“

فاروقی رنگ و جلوہ

چنانچہ ان کے لیے امیر المومنین نے اس لڑکی کا رشتہ مانگ لیا اور عاصم کی شادی

اس نیک بخت لڑکی سے ہو گئی۔ عاصم کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی اس کا نام ام عاصم رکھا گیا۔

یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں جب سن بلوغت کو پہنچیں تو ان کی شادی مروان بن حکم

کے بیٹے عبدالعزیز سے ہوئی اب ام عاصم کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا اس کا نام انہوں نے

اپنے دادا کے نام پر عمر رکھا۔ یہی وہی عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ہیں جو خلیفہ المسلمین بنے

جنہیں پانچواں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے دور میں اسلام کا شباب لوٹ آیا

تھا۔ یہ ثمرہ تھا ایک نیک اور متقی لڑکی کی خدا خونی کا۔

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے عہد (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ) میں بنو امیہ نے اپنی ناجائز جائے

دادیں ضبط ہونے سے بچانے کے لیے ان کی پھوپھی فاطمہ بنت مروان کو سفارشی بنا کر ان کے پاس بھیجا۔ انہوں نے پھوپھی کو سمجھا بچھا کرواپس کر دیا۔ فاطمہ نے واپس آ کر بنو امیہ سے کہا: ”تم نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی پوتی سے رشتہ کیا تھا لہذا وہی فاروقی رنگ ان کی اولاد میں بھی موجود ہے۔“

(یہ واقعہ تاریخ کی متعدد کتابوں میں مذکور و معروف ہے دیکھیے تاریخ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ)

تالیف: علامہ ابن جوزی (۱۰۴)

دلوں کے جاسوس

حضرت ابو جعفر خلدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ خلوت میں درگاہ الہی میں مناجات کر رہے تھے۔ میں جا کر آپ کی مناجات ایسے طور پر سننے لگا کہ آپ کو معلوم نہ ہو۔ آپ نہایت اضطراب میں کہہ رہے تھے:

”بارِ خدا یا! اہل دوزخ کو تو عذاب دے گا اور وہ سب تیرے علم اور قدرت اور ارادہ سے تیرے ہی پیدا کیے ہوئے ہیں اور اگر دوزخ کو تو آدمیوں سے بھرنا ہی چاہتا ہے تو تو اس بات پر قادر ہے کہ اس دوزخ اور اس کے تمام طبقات کو مجھ سے بھر دے اور ان کو بہشت میں بھیج دے۔“ ابو جعفر فرماتے ہیں:

”میں آپ کے معاملہ میں متحیر ہو گیا“ کچھ دنوں بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی آنے والا آ کر کہتا ہے کہ خداوند نے فرمایا ہے کہ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ سے کہہ دو کہ ہم نے تمہیں اس شفقت اور تعظیم کی وجہ سے بخش دیا ہے جو تمہیں ہم سے اور ہمارے بندوں سے ہے اور آپ کو نوری اس لیے کہتے ہیں کہ تاریک مکان میں جب آپ کلام کرتے تو آپ کے نور باطن کی وجہ سے مکان روشن ہو جاتا اور دوسرا یہ کہ نور حق تعالیٰ سے آپ اپنے مریدوں کے اسرار معلوم کر لیتے تھے یہاں تک کہ حضرت جنید نے فرمایا کہ ابوالحسن

دلوں کے جاسوس ہیں۔ یہ آپ کے مذہب کی بڑی خصوصیت ہے۔“

(کشف المحجوب (ترجمہ) ص ۲۹۶)

☆..... نجات اللہ نے ایک بزرگ کا حال لکھا ہے جو بغداد میں تھے ان کو خواجہ محمد منکر کہتے تھے دکان بزازی کی کیا کرتے، موسم سرما میں لبادے (پوشاکیں) بنوا کر بیچتے جب دکان سے کہیں کام کو جاتے تو غلام کو بٹھا جاتے اور تاکید کرتے کہ خبردار! یہ لبادہ دو دینار کو دینا اور یہ تین دینار کو اس میں کمی بیشی نہ کرنا۔ ایک دن ایک اعرابی (بدو) آیا اور غلام سے پوچھا: ”فلاں لبادہ کس قیمت کو دے گا؟“

وہ لبادہ دو دینار کی قیمت کا تھا۔ غلام نے کہا: ”تین دینار کا۔“

اعرابی کو سنا معلوم ہوا۔ تین دینار دے کر خرید لیا۔ راہ میں اسے محمد منکر ملے اپنا لبادہ پہچان کر اس سے پوچھا: ”شیخ یہ لبادہ کتنے کو لیا ہے؟“

اس نے کہا: ”تین دینار میں۔“

محمد منکر نے کہا: ”اس قسم کے لبادے دو دینار کو آتے ہیں۔ دکان دار نے ایک دینار تجھ سے زیادہ لیا ہے۔ لوٹ آؤ اور لبادہ پھیر دو اور یہ ظاہر نہ کیا کہ یہ لبادہ میری دکان کا ہے۔“

اعرابی نازک مزاج ہوا کرتے ہیں۔ سمجھا اس نے یہ پسند کر لیا ہے اور سستا جان کر واپس کرواتا ہے تاکہ خود خرید لے۔ غصہ میں آ کر کہا: ”خواجہ یہ لبادہ ہمارے ملک میں دس بارہ دینار کا ہے تو براہ فریب مجھ سے پھروا کر خود خریدنا چاہتا ہے۔“

حضرت منکر نے جب دیکھا کہ اس کے دل میں شک پیدا ہوا ہے اس لیے غصے میں آ گیا ہے تو کہا: ”شیخ ناراض نہ ہو یہ لبادہ میری دکان کا ہے۔ میں غلام سے کہہ آیا تھا کہ اس قسم کا لبادہ دو دینار کو دینا اس نے تم سے تین دینار لے لیے ہیں۔ میرے ہمراہ چلو ایک دینار تم کو پھیر دوں گا یا اس سے عمدہ لبادہ تین دینار والا تم کو دوں گا۔“

اعرابی یہ سن کر ہمراہ آیا۔ حضرت منکر نے ایک دینار اس کو دکان سے واپس

دلویا۔ اعرابی نے وہاں سے لوٹ کر لوگوں سے پوچھا: ”یہ دکان دار کون ہے نہایت امین دیانت دار معلوم ہوتا ہے۔“ انہوں نے کہا: ”ان کو شیخ محمد منکر کہتے ہیں۔“ اعرابی نے تعجب سے کہا: ”شیخ محمد منکر یہی ہیں ہم تو اپنے وطن میں بڑے سخت حوادث میں ان کے نام کو اپنا شفیع کرتے ہیں۔ ان کے نام کی برکت سے سب مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ ہم جانتے تھے محمد منکر کوئی بڑا شیخ ہے خانقاہ میں رہتا ہوگا۔ یہ نہ معلوم تھا کہ وہ یوں زمرہ تاجروں میں ہوں گے۔“

(کیماے سعادت ص ۲۸۲ خیر المجالس ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین محمد چراغ ص ۸۸)

گالیاں دیتا ہے کوئی تو دعا دیتے ہیں

ایک روز حضرت معروف کرخی بازار سے گزر رہے تھے کہ شراب خوروں کی ایک جماعت سے ان کا آسنا سامنا ہو گیا۔ یہ شیخ سے گستاخانہ پیش آئے۔ آپ کے ہمراہیوں نے ان کے حق میں بددعا کی درخواست کی تاکہ یہ بد اعمال اپنے کیے کی سزا پائیں۔ شیخ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ لوگ منتظر تھے کہ شیخ کے ان شرابیوں کے خلاف بددعا کرنے کی دیر ہے ان شرابیوں کو سزا مل کر رہے گی کیونکہ شیخ مستجاب الدعوات تھے۔ اللہ اپنے بندوں کی دعا کو رد نہیں فرمایا کرتا مگر شیخ نے جب دعا مانگنا شروع کی تو لوگ حیران رہ گئے۔ شیخ نے پوری توجہ اور خلوص دل سے گڑگڑا کر بارگاہِ الہی میں عرض کیا: ”یا الہی! جس طرح تو نے اس گروہ کو دنیا میں خوش کیا ہے اسی طرح آخرت میں بھی انہیں خوش حال رکھ۔“

دعا قبول ہوئی شراب خوروں نے شراب کے مٹکے توڑ دیئے لرزتے کانپتے اور گرتے پڑتے خدمتِ شیخ میں تائب ہوئے اور اپنے کیے پر معذرت چاہی۔ اس پر شیخ نے اپنے دوستوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”تم نے دیکھا جہاں میری دعائے خیر سے ہم سب ان کے رنج و آزار سے آزاد ہو گئے وہاں یہ شراب خوری کی آفت سے نجات پا گئے۔ گویا دونوں فریق اپنی مراد پا گئے۔“

(ترجمہ رسالہ قشیریہ، ص ۲۱۳، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اردو ترجمہ خزانہ الاصفیاء مرتبہ مفتی غلام سرور لاہوری، ج اول ص ۱۲۹-۱۲۸، طبع مکتبہ المعارف منج بخش روڈ لاہور)

بجائے بددعا کے دُعا

ایک روز حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ اپنے رفیقوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے اتفاق سے سامنے سے ایک دوسری کشتی آرہی تھی جس میں مصر کے کھیل کود والے لوگوں کا گروہ بیٹھا ہوا تھا اور حسب معمول شرارتیں اور شور و غل کر رہے تھے۔ آپ کے مریدوں کو ان سے بہت نفرت ہوئی اور کہنے لگے: ”اے شیخ! دعا کیجیے کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ غرق کرے تاکہ ان کی نحوست لوگوں سے دُور ہو جائے۔“

تو حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۳۵ھ) نے اٹھ کر ہاتھ کھڑے کیے اور دعا کی: ”بارِ خدایا! جیسا کہ اس جماعت کو توبہ نے اس جہان میں اچھی زندگی عطا فرمائی ہے، ان کو اس جہان میں بھی اچھی زندگی مرحمت فرما۔“

مرید آپ کے اس کلام کو سن کر بڑے متعجب ہوئے جب وہ کشتی ذرا اور نزدیک آئی اور ان لوگوں کی نظر حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی تو وہ رونے لگے اور ساز سب توڑ ڈالے اور توبہ کر کے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ آپ نے اپنے مریدوں سے فرمایا: ”آخرت کی اچھی زندگی دنیا کی توبہ ہے تم نے دیکھ لیا کہ سب کو مراد حاصل ہو گئی، تم اور ان سب لوگوں نے اپنی مراد پالی اور کسی کو کوئی رنج نہ پہنچا اور کلام اس پیر حقانی کا نہایت شفقت پر دلالت کرتا ہے اور اس میں آپ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتداء کیا ہے کہ جس قدر کفار حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم و ستم کی زیادتی کرتے آپ رنجیدہ اور خفا نہ ہوتے بلکہ فرماتے:

اللَّهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ .

”اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے۔“

(کشف الخجوب (ترجمہ) ۱۶۳، مطبوعہ فروری سنہ ۱۹۳۳ء)

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست

دین صرف نماز روزے نوافل اور تسبیحات کا نام نہیں بلکہ خلقِ خدا کی سراسر اور مقدر بھر خیر خواہی کا نام ہے۔ نبی پاک علیہ التحیۃ والثناء کا معروف ارشاد ہے:

الدِّينُ النَّصِيحَةُ. ”دین خیر خواہی کا نام ہے۔“

صوفیائے کرام نے اس ارشادِ نبوی ﷺ کو ہمیشہ اپنی زندگی کا معمول بنائے رکھا اور خیر خواہی کے کمال نمونے چھوڑے۔ حضرت بکر بن عبداللہ المزنی رضی اللہ عنہ اپنے گھر کی چھت کا پرنا کسی راہگزر پر گرنے کے خیال سے رستے کو چھوڑ کر اپنے گھر کے اندر رکھتے۔ ایک مرتبہ آپ کی ایک بلی مر گئی تو آپ نے اسے گھر کے صحن میں ہی دفن کر دیا اور باہر نہ پھینکا تاکہ لوگوں کو اس کی بدبو سے تکلیف نہ پہنچے۔

(اخلاقِ صالحین ترجمہ تنبیہ المعتبرین از عبدالوہاب الشعرانی، ص ۲۲۵ مطبوعہ لاہور)

☆..... حضرت یونس بن عبید رضی اللہ عنہ چادر میں اور اوڑھنیاں فروخت کیا کرتے تھے لیکن چپ کبھی آسمان پر بادل ہوتے تو ان کو فروخت نہ کرتے اور نہ بازار لے کر جاتے تھے۔ کسی نے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا: ”ابر کے دن خریدار کو اکثر معیوب اشیاء صاف نظر نہیں آتیں اور اس طرح گاہک دھوکہ کھا جاتا ہے اور کسی گاہک کو دھوکہ دینا ہمارے دین میں جائز نہیں۔ اپنا نقصان برداشت کر لینا تو گوارا ہے لیکن کسی دوسرے آدمی کا خسارہ کسی قیمت پر منظور نہیں۔ دنیوی مال و دولت کا خسارہ کوئی خسارہ نہیں۔ مال آنی جانی چیز اور ڈھلتی چھاؤں ہے آج ہے تو کل نہیں ہوگی اصل نقصان تو دین کا نقصان اور آخرت کا نقصان ہے۔ اخروی نقصان نہیں ہونا چاہیے دنیا کے نقصان کی خیر ہے۔ آج لوگوں کو آخرت کی فکر کی بجائے دنیا کی فکر ہے۔ عاقبت سنوارنے کی بجائے دنیا سنوارنے میں اپنی تمام صلاحیتوں کو کھپا رہے ہیں۔ انسان کی آنکھوں پر عام طور پر غفلت کی پٹی پڑی رہتی ہے۔ یہ غفلت کی پٹی اس وقت کھلے گی جب انسان اس دنیا سے رحمتِ سفر باندھے گا۔ مال و دولت اور عزیز و اقارب میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ قبر میں

نہیں جائے گا۔ قبر کے اندھیرے اور وحشت و تنہائی کو صرف اعمالِ صالحہ ہی دُور کریں گے۔“

تربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا
شمعیں بھی جلاؤ تو اُجالا نہیں ہوتا

(اخلاقِ صالحین ترجمہ تنبیہ المعتبرین ص ۲۲۶)

☆..... دو درویش طویل سفر کے بعد جب جب حضرت عبداللہ خفیف علیہ الرحمہ کے یہاں حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ آپ شاہی دربار میں ہیں۔ یہ سن کر ان لوگوں نے سوچا کہ یہ کس قسم کے بزرگ ہیں جو دربارِ شاہی میں حاضری دیتے ہیں۔ یہ سوچ کر دونوں بازار کی جانب نکل گئے اور اپنے خرچہ کی جیب سلوانے کے لیے درزی کی دکان پر پہنچے اسی دوران درزی کی قینچی گم ہو گئی اور اس نے ان دونوں کو چوری کے شبہ میں پولیس کے حوالے کر دیا اور جب پولیس ان دونوں کو لے کر شاہی دربار میں پہنچی تو حضرت عبداللہ خفیف نے بادشاہ سے سفارش کرتے ہوئے فرمایا: ”یہ دونوں چور نہیں ہیں لہذا ان کو چھوڑ دیا جائے۔“

چنانچہ آپ کی سفارش پر ان دونوں کو رہا کر دیا گیا اس کے بعد آپ نے ان دونوں سے فرمایا: ”میں دربارِ شاہی میں صرف اس غرض کے لیے موجود رہتا ہوں۔

یہ سن کر وہ دونوں معذرت خواہی کے بعد آپ کے ارادت مندوں میں داخل ہو گئے اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خدا کے مقبول بندوں سے بے اعتقادی بھی وجہ مصیبت بن سکتی ہے۔ (شیخ عطار تذکرۃ الاولیاء (اردو) ص ۲۵۰)

مظلوم کی مدد کرنا عبادت ہے

عوام کی خدمت ان کی دردمندی، عوام کی تکالیف کو محسوس کرنا اور خود تکلیف اٹھا کر ان کے دردِ دکھ کو دُور کرنا، انسانی قلوب کو ایک رشتہ اُلفت میں پرونا، تصوف کی تعلیم کا اصل مقصد اور منشا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی زندگی میں

ہمیں یہ کردار نمایاں نظر آتا ہے۔ ایک مرتبہ سرکاری کارندوں نے ایک کسان کے کھیت ضبط کر لیے اس نے آکر آپ سے عرض کیا کہ دہلی کے حاکم نے میرے کھیت ضبط کر لیے ہیں اب وہ کہتا ہے کہ شاہ التمش کے فرمان کے بغیر یہ کھیت تم کو واپس نہیں مل سکتے اگر آپ شاہ التمش سے میرے کھیتوں کی بحالی کی سفارش فرمائیں تو میری اراضی مجھے واپس مل سکتی ہے۔ ارشاد فرمایا: ”میں تمہارے اس کام کے لیے خود تمہارے ساتھ دہلی جاؤں گا۔“

چنانچہ آپ اس مظلوم کسان کے ساتھ دہلی تشریف لائے۔ سلطان التمش کو خبر ہوئی تو وہ خود حاضر خدمت ہوا اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے بعد تشریف آوری کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے کسان کا سارا واقعہ بیان کر کے اس کی سفارش فرمائی۔ سلطان التمش نے عرض کیا: ”آپ نے اس کام کے لیے اتنی زحمت فرمائی اگر آپ اپنے کسی ادنیٰ خادم سے کہلا بھیجتے تو مجھے تعمیل میں کیا عذر ہو سکتا تھا؟“

فرمایا: ”مظلوموں کی امداد بھی عبادت میں داخل ہے اس لیے میں خود ہی اس کام کو انجام دینے کے لیے چلا آیا۔“ (کتاب اقبال کے محبوب صوفیاء ص ۱۳۰-۱۳۱)

☆..... سلطان غیاث الدین حضرت خواجہ فرید الدین سے معتقدانہ تعلق رکھتا تھا، دہلی کی سلطنت کا حصول بھی حضرت کی دعا اور محبت کا نتیجہ سمجھتا تھا اور خدام کی خدمت کو اپنی سعادت تصور کرتا تھا۔ حضرت خواجہ نے ایک مرتبہ ایک شخص کے اصرار پر سلطان کو ایک سفارشی رقعہ لکھا جو سفارش و بے نیازی کا عجب مجموعہ ہے۔ فرماتے ہیں:

”میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اگر آپ اس کو کچھ دیں گے تو حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے اور اگر آپ نہ دیں گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ معذور ہوں گے۔“

(بحوالہ اخبار الاخیار تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم ص ۴۱)

کوئی نہیں بھروسہ اے بھائی زندگی کا

حضرت سیدنا عمر بن واصل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ایک مرتبہ حضرت سیدنا اہل رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: ”اے ابو محمد! لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں ایسے عظیم بزرگ بھی ہیں جن کی صبح ”بصرہ“ میں ہوتی ہے اور شام مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً میں۔ کیا واقعی ایسا ہے؟“ فرمایا: ”ہاں! اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو پہلو کے بل لیٹے ہوتے ہیں اور کروٹ بدلتے ہیں تو جہاں چاہتے ہیں پہنچ جاتے ہیں۔“

پھر کچھ دیر خاموش رہے اور فرمایا: ”کیا ہم دیکھتے نہیں کہ بادشاہ اپنے وزیروں اور مشیروں میں سے جسے زیادہ فرماں بردار بہادر اور اچھی نیت والا دیکھتے ہیں اسے اپنے خزانوں کی چابیاں دے دیتے ہیں اور اجازت دے دیتے ہیں کہ امور مملکت میں جو چاہے کرے تم با اختیار ہو۔“

اسی طرح بندہ جب اپنے پاک پروردگار کی اطاعت و فرماں برداری کرتا رہتا ہے جن کاموں کا حکم دیا گیا انہیں بجالاتا ہے جن سے منع کیا گیا ان سے باز رہتا ہے اور ہر اس کام کو بخوشی کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے اپنا مقرب بنا لیتا ہے۔

اے لوگو! بے شک تم غفلت کا شکار ہو۔ اے! یہ دنیا تم سے رخصت ہونے والی اور تم اس سے کوچ کرنے والے ہو جلدی کرو غفلت کی ٹینڈ سے بے دار ہو جاؤ۔ بے شک معاملہ (آخرت) بہت قریب ہے جو کچھ کرنا ہے جلدی جلدی کر لو۔

کوچ، ہاں! اے بے خبر ہونے کو ہے
 کب تک غفلت؟ سحر ہونے کو ہے
 کچھ نیکیاں کمالے جلد آخرت بنالے
 کوئی نہیں بھروسہ اے بھائی زندگی کا

☆..... حضرت سیدنا ابوبکر کتانی اور مشائخ کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے ایک گروہ سے منقول ہے: ”حضرت سیدنا جعفر دینوری رضی اللہ عنہ کا ایک بھائی ملک شام میں رہتا تھا۔ وہ کسی بھی بستی یا شہر میں ایک دن یا ایک رات سے زیادہ نہ ٹھہرتا۔ ایک مرتبہ وہ ایک گاؤں میں گیا تو بیمار ہو گیا۔ سات دن بیمار رہا نہ تو گاؤں والوں میں سے کوئی اس کی بیمار پرسی کے لیے آیا نہ ہی کھانے پینے کا پوچھا۔ آٹھویں رات بھوک و پیاس کی شدت میں اس کا انتقال ہو گیا۔ صبح گاؤں والوں نے اسے مردہ پایا تو غسل دے کر خوشبو لگائی، کفن پہنایا اور نماز جنازہ ادا کرنے چل پڑے۔ اتنے میں آس پاس کی بستیوں کے لوگ جوق در جوق وہاں پہنچ گئے اور کہنے لگے: ”ہم نے آج ایک غیبی آواز سنی، کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا:

”تم میں سے جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ولی کے جنازہ میں حاضر ہونا چاہے وہ فلاں بستی میں چلا جائے۔“ بس وہی آواز سن کر ہم یہاں آئے ہیں۔

پھر سب نے نماز جنازہ ادا کی اور اس ولی کو دفن کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ صبح کی نماز کے بعد لوگوں نے مسجد کی محراب میں ایک کفن دیکھا اور ساتھ ہی ایک پرچہ تھا جس پر یہ لکھا ہوا تھا: ”تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کا ایک ولی سات دن تک بھوکا پیاسا اور بیمار پڑا رہا مگر تم نے اس کا حال تک نہ پوچھا نہ اس کی بیمار پرسی کی نہ ہی کھانا وغیرہ کھلایا۔ ہمیں تمہارے کفن کی کوئی حاجت نہیں، تمہارا کفن تمہیں واپس کیا جا رہا ہے۔“

لوگوں نے یہ رقعہ پڑھا تو بہت شرمندہ ہوئے پھر اپنے علاقے میں ایک عمدہ مکان بنا کر مہمانوں اور مسافروں کے لیے خاص کر دیا اور مہمانوں اور مسافروں کی خوب خاطر مدارات کرنے لگے۔“ (عیون الحکایات)

کچھ نیکیاں کمالے جلد آخرت بنالے

حضرت سیدنا احمد بن محمد بن زیاد رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، میں نے حضرت سیدنا ابوبکر

عطار رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”جب حضرت سیدنا جنید رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو میں اور میرے کچھ رفقاء وہاں موجود تھے ہم نے دیکھا کہ انتقال سے کچھ دیر قبل ضعف (کنزوری) کی وجہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے آپ کے دونوں پاؤں متورم (سوچھے ہوئے) تھے جب رکوع و سجود کرتے تو ایک پاؤں موڑ لیتے جس کی وجہ سے بہت تکلیف اور پریشانی ہوتی۔ دوستوں نے یہ حالت دیکھی تو کہا: ”اے ابوقاسم رحمۃ اللہ علیہ! یہ کیا ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں متورم کیوں ہیں؟“ فرمایا: ”اللہ اکبر! یہ تو نعمت ہے۔“

حضرت سیدنا ابو محمد حریری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

”اے ابوقاسم! اگر آپ لیٹ جائیں تو کیا حرج ہے؟“

فرمایا: ”ابھی وقت ہے جس میں کچھ نیکیاں کر لی جائیں اس کے بعد کہاں موقع ملے گا۔“ پھر اللہ اکبر کہا اور آپ کی روح اس دیر فانی سے عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی۔“

یہ بھی منقول ہے کہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا: ”حضور! اپنی جان پر کچھ نرمی کیجیے۔“

تو فرمایا: ”اب میرا نامہ اعمال بند کیا جا رہا ہے اس وقت نیک اعمال کا مجھ سے زیادہ کون حاجت مند ہوگا؟“ (ایضاً)

شیر کے ساتھ رات گزاری

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے وہ کہتے ہیں کہ میں بہ نیت حج بیت اللہ الحرام (خانہ کعبہ) کی طرف گھر سے نکلا۔ مجھے شدت کی سردی لاحق ہوئی۔ چنانچہ میں نے پہاڑ میں ایک غار کی طرف پناہ لی۔ وقتاً کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا شیر میرے پاس غار کے اندر آیا جب اس نے مجھے دیکھا تو مجھ سے کہا: ”میری بلا اجازت تجھ کو میرے گھر میں کس نے داخل کیا؟“

میں نے کہا: ”میں مسافر ہوں اور سامان سفر ختم ہو چکا ہے اور میں اس رات میں تیرے پاس مہمان آیا ہوں۔“

چنانچہ وہ شیر مجھ سے کنارے پہ ہو گیا اور میرے پہلو میں سویا اور میں نے صبح تک قرآن مجید کی تلاوت میں رات کاٹی جب میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو شیر نے مجھ سے کہا: ”اے ابراہیم! تم تعجب نہ کرو اور یہ نہ کہو کہ میں شیر کے پاس سویا تھا اور اس سے سلامت رہا۔ اللہ کی قسم ہے میں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا ہے اگر تم میرے مہمان نہ ہوتے تو میں تم کو ضرور کھا جاتا۔“

پس میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور وہاں سے چل دیا۔ چنانچہ جب میں اپنا حج ادا کر کے اپنی عبادت گاہ کی طرف واپس چلا تو میرا نفس ایک زمانہ یعنی بیس برس سے مجھ سے انار کی خواہش کرتا تھا اور میں اس سے ٹال مٹول کرتا تھا۔ ایک رات کو میرے دل نے مجھ سے کہا: بخدا اگر میری خواہش پوری نہ کرو گے تو میں عبادت میں سستی کروں گا اس کے بعد میں نے کہا: ”جب میں آبادی میں داخل ہوں گا تو تیری خواہش پوری کروں گا۔“

چنانچہ میدان کی طرف میری توجہ کا وقت آ گیا۔ میں نے ایک درخت دیکھا اور اس کی طرف گیا وہ انار کا درخت تھا اور اس پر بکثرت انار تھے میں نے اس سے ایک انار لیا لیکن اس کو ترش پایا اور اسی طرح دوسرا اور تیسرا اور چوتھا لیا اور میرا نفس کہتا تھا کہ میں نے تو بیٹھے انار کی خواہش کی ہے اس کے بعد میں آبادی کی طرف چلا۔ چنانچہ میں نے ایک باغ میں ایک شخص کو پایا اور اس سے انار کا سوال کیا اس نے مجھ کو انار دیا مگر میں نے اس کو بھی ترش ہی پایا جب اس کو اس کی خبر کی تو اس نے مجھ سے کہا: ”اے ابراہیم! تمہارا نفس جو کچھ چاہتا ہے تم اس کی تابع داری کرتے ہو۔ بخدا مجھے اس باغ میں چالیس برس رہتے ہو گئے لیکن میں اب تک بیٹھے کو کھٹے سے تمیز نہیں کر سکتا یعنی میں نہیں پہچانتا کہ بیٹھا کون ہے اور کھٹا کون ہے۔“

مجھے تعجب ہوا اور میں چل دیا پھر میں ایک ایسے جوان کے پاس پہنچا جو بتلائے

مصائب تھا۔ بھڑیں اس کے جسم میں ڈنک مارتی تھیں اور کیڑے اس کے ہاتھ اور پاؤں سے جھڑتے تھے اور وہ شخص کہتا تھا: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكِبِيهِ وَفَضَّلَنِي عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفَضُّلاً ”اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس سے عافیت دی جس میں اس نے مجھے مبتلا کیا اور اس نے مجھے اپنی بہت ساری مخلوق پہ فضیلت عطا فرمائی۔“

میں نے حیران ہو کر اس سے پوچھا: ”اے شخص! اس سے بڑی بلا اور کیا ہوگی؟“
 (یہ سن کر) اس نے میری طرف دیکھا اور کہا: ”اے ابراہیم! بدنوں میں بھڑوں کا ڈنک مارنا انار کی خواہش سے بہتر ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ تو ایسا بندہ ہے جس کا امتحان کیا گیا یعنی تو جو کچھ چاہتا ہے خدا اس کے خلاف کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تیرے واسطے شیریں کو ترش سے بدل دیا۔“

یہ سن کر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اس جوان سے کہا:
 ”اے شخص! جب تیرا یہ مقام اور یہ رتبہ ہے تو تو اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں سوال کرتا کہ وہ تجھے ان تکلیفوں سے آرام دے؟“

اس کے جواب میں اس نے کہا: ”اے ابراہیم! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں تصرف کرتا ہے جو چاہتا ہے وہ حکم کرتا ہے اور جو چاہتا ہے ان کے ساتھ کرتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ کس قدر بندے ہیں جو اس کی آزمائش پر صابر اور اس کے حکم سے راضی ہیں۔ بخدا ابراہیم! اگر اللہ تعالیٰ میرے عضو کو کاٹ ڈالے تو بھی میں اس کی نسبت محبت ہی کو زیادہ کروں گا۔“

اس کے بعد میں اس کے حال سے تعجب کرتا ہوا اس سے علیحدہ ہوا۔ واللہ اعلم

(قلیوبی)

امراء و علماء

مشہور اور مایہ ناز محدث ابراہیم علیہ الرحمۃ کو خلیفہ دمشق ہشام بن عبد الملک نے خراج مصر کی تولیت کا عہدہ پیش کیا۔ آپ نے یہ کہہ کر انکار فرما دیا: ”میں اس کا اہل نہیں ہوں۔“

خلیفہ آپ کا انکار سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور غضب ناک ہو کر کہنے لگا: ”آپ کو یہ عہدہ قبول کرنا پڑے گا ورنہ آپ سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔“

آپ ہشام کی قہر آلود دھمکیوں کو نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ سنتے رہے جب ہشام خاموش ہو گیا تو آپ نے فرمایا: ”اے امیر المؤمنین! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ
يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا۔

”ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو ان سمعوں نے خائف ہو کر اس بار امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔“

اے امیر المؤمنین! جب بار امانت اٹھانے سے انکار کرنے پر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر ناراض نہیں ہوا تو آپ مجھ کو بار امانت اٹھانے سے انکار کرنے پر اس قدر ناراض ہو کر کس طرح سزا دے سکتے ہیں؟ ابراہیم محدث کی یہ حقانی تقریر سن کر ہشام کے ہوش و حواس کا طوطا اڑ گیا اور بالکل لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا اور اس عہدہ پر کسی دوسرے شخص کو مقرر کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۷۳)

☆..... مولانا علاء الدین اپنے دور کے مشاہیر علماء میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ عمر بھر درس و تدریس کا مشغلہ رکھا۔ شاہجہان بادشاہ کے دربار کے ساتھ منسلک رہے۔ شاہجہان کے بعد عالمگیر کے دربار سے تعلق ہو گیا۔ منقول ہے کہ اورنگ

زیب عالمگیر نے اپنے بھائیوں کو قتل کرانے اور اپنے باپ شاہجہان کو آگرہ کے قلعہ میں قید کرنے کے بعد ایک دربار خاص منعقد کیا جس میں ملک بھر کے علماء اور دوسرے دانش ورروں کو مدعو کیا۔ مولانا علاء الدین بھی حاضر دربار تھے۔ عالمگیر نے حاضرین کے سامنے تقریر کرتے ہوئے یہ یقین دلایا کہ میرا حکومت پر قبضہ کرنا میرے کسی دنیاوی مفاد کی خاطر نہیں ہے بلکہ صرف خلق خدا کے فائدے کے لیے ہے۔ تمام حاضرین نے بادشاہ کی تائید کی اور بے شک بے شک بجا ہے درست ہے کا نعرہ لگایا مگر مولانا علاء الدین کا جذبہ حق گوئی برداشت نہ کر سکا۔ آپ نے کھڑے ہو کر بھرے دربار میں بادشاہ کے منہ پر کہہ دیا: ”جو شخص اپنے باپ کو جیل خانہ میں ڈال سکتا ہے اس سے خلق خدا کو اگر فائدہ پہنچ جائے تو بڑے تعجب کی بات ہے۔“ مولانا علاء الدین کی اس صاف گوئی پر تمام حاضرین دربار حیرت زدہ ہو گئے اور بادشاہ عالمگیر بھی آپ کا منہ تکتا رہ گیا اور کوئی جواب بن نہیں پڑا۔ (علاء حق ص ۷۴)

قاضی کی بے باکی

☆..... خلیفہ بغداد منصور کے دور حکومت میں قاضی سوار بن عبد اللہ بصرہ کے قاضی تھے۔ کچھ لوگوں نے دربار خلافت میں چغلی کھائی کہ قاضی صاحب لوگوں کی شخصیت سے متاثر ہو کر اور منہ دیکھ کر فیصلہ کر دیا کرتے ہیں۔ خلیفہ منصور نے آپ کو دربار خلافت میں جواب دہی کے لیے طلب کیا۔ قاضی صاحب جیسے ہی دربار میں منصور کے سامنے کھڑے ہوئے منصور کو ایک دم چھینک آگئی۔ قاضی صاحب نے منصور کی چھینک پر یرحکم اللہ کیوں نہیں کہا۔ منصور نے ڈانٹ کر پوچھا: ”آپ نے میری چھینک پر یرحکم اللہ کیوں نہیں کیا؟“ قاضی صاحب نے برجستہ جواب دیا: ”اس لیے کہ آپ نے الحمد للہ نہیں کہا۔“

منصور نے کہا: ”میں نے دل میں الحمد للہ کہہ لیا تھا۔“

قاضی نے کہا: ”میں نے بھی دل میں یرحکم اللہ کہہ دیا تھا۔“

خلیفہ منصور قاضی سوار کی بے خوفی اور حاضر جوابی سے بے حد متاثر ہوا اور کہا:
 ”آپ جائے اور اپنے عہدہ پر برقرار رہیے۔“

جب آپ مجھ سے مرعوب نہیں ہوئے اور میری ہاں میں ہاں نہیں ملائی تو پھر مجھے یقین ہے کہ آپ کسی کی شخصیت سے مرعوب نہیں ہو سکتے اور ہرگز ہرگز کسی کا منہ دیکھ کر یا کسی کے دباؤ سے کوئی غلط فیصلہ نہیں کر سکتے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۸۵)

سلطنت کی قیمت

منقول ہے کہ ایک مرتبہ ”ابن سماک“ خلیفہ بغداد ہارون الرشید کے دربار میں تشریف لے گئے۔ ایک دم ہارون الرشید کو پیاس لگی اور اس نے پانی طلب کیا۔ خادم نے پانی کا گلاس ہارون الرشید کے ہاتھ میں دیا تو ابن سماک نے فرمایا: ”اے امیر المؤمنین! ذرا ٹھہر جائیے اور مجھے بتائیے کہ اگر پیاس کے وقت کہیں پانی نہ ملے اور آپ پیاس سے بے قرار ہو جائیں تو یہ ایک گلاس پانی آپ کتنی قیمت دے کر خریدیں گے؟“ ہارون الرشید نے جواب دیا: ”آدھی سلطنت۔“

پھر ابن سماک نے پوچھا: ”اگر یہ پانی آپ کے پیٹ پر پہنچ جائے اور آپ کا پیشاب بند ہو جائے اور یہ پانی آپ کے بدن سے نہ نکل سکے تو آپ اس کے علاج پر کتنی رقم خرچ کر دیں گے؟“ ہارون الرشید نے کہا: ”پوری سلطنت۔“

یہ سن کر ابن سماک نے فرمایا: ”اے امیر المؤمنین! وہ سلطنت جس کی قیمت پر ایک گلاس پانی اور اس کا پیشاب ہو بھلا کب اس قابل ہے کہ اس کی رغبت کی طرف جائے اور اس پر گھمنڈ کیا جائے۔“ ابن سماک کے ان کلمات کو سن کر ہارون الرشید چیخ مار مار کر رونے لگا اور کچھ جواب نہیں دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۰۳)

☆..... احمد بن علی بصری ناقل ہیں کہ ایک دن خلیفہ بغداد متوکل باللہ نے علامہ احمد بن محمد اور دوسرے علمائے بغداد کو اپنے دربار میں بلایا جب تمام علماء مجتمع ہو گئے۔ خلیفہ اپنے پورے کردار اور شاہانہ شان و شوکت سے دربار میں آیا۔ خلیفہ کو دیکھتے ہی سب

لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے مگر علامہ احمد بن معدل بدستور بیٹھے رہے اور اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔ خلیفہ نے علامہ کی اس حرکت پر دل میں ناراض ہو کر اپنے خادم عبید اللہ سے دریافت کیا: ”کیا انہوں نے میری بیعت نہیں کی ہے؟ کیا یہ مجھے امیر المومنین نہیں تسلیم کرتے؟“

عبید اللہ نے عرض کیا: ”کیوں نہیں! لیکن اے امیر المومنین! ان کی بصارت میں کچھ کمی آگئی ہے اور نظر بہت کمزور ہو گئی ہے غالباً انہوں نے آپ کو دیکھا نہیں۔“
یہ سن کر علامہ احمد بن معدل نے بلند آواز سے فرمایا: ”نہیں! اے امیر المومنین! میں اندھا نہیں ہوں لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے آپ کو بچایا ہے کیونکہ حضور اکرم کا فرمان ہے: ”جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔“

یہ سن کر متوکل باللہ علامہ بن معدل کے پہلو میں بیٹھ گیا اور کوئی جواب نہیں دیا۔

غیر حق کے سامنے مؤمن کا سر جھکتا نہیں

مذکورہ بالا پانچویں حکایتوں میں اس حقیقت کی تجلی ہے کہ علمائے سلف ”کلمہ الحق“ کا اعلان کرنے میں ہرگز ہرگز کبھی بادشاہوں کے رعب و جلال سے مرعوب یا خائف و ہراساں نہیں ہوتے تھے بلکہ انتہائی بے خوف اور نڈر ہو کر امراء و سلاطین کو نصیحت کرتے تھے اور اعلاء کلمہ الحق کے معاملہ میں اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یہ درحقیقت ان علمائے حق کی ایمانی قوتوں اور روحانی توانائیوں کا کرشمہ تھا کہ بڑے بڑے ظالم و جابر بادشاہوں کی تلواریں ان قدسی صفت عالموں کی سیف زبانی کے مقابلہ میں کند ہو کر رہ جاتی تھیں اور ان باخدا بزرگوں کی ہر تقریر صداقت تاثیر کی شمشیر بن کر ظالموں کے ظالمانہ عزائم کے پرچے اڑا دیا کرتی تھی۔ درحقیقت یہی وہ مقدس جماعت ہے جس کے بارے میں خداوند قدوس نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: لَا يَخَافُونَ إِلَّا اللَّهَ۔
”یہ وہ لوگ ہیں جن کے سینوں میں اللہ کے خوف کے سوا کسی غیر اللہ کے خوف کی

گنجائش ہی نہیں۔“

یہ لوگ صرف خدا سے ڈرتے ہیں اور ساری خدائی میں کسی سے نہیں ڈرتے جس کا نتیجہ اور ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ خداوند قدوس ان کے سروں پر لاخوف علیہم ولا ہم یخزنون کا تاج رکھ کر ان کو امن و بے خوفی اور مجاہدانہ جرأت و ہمت کا ایسا سلطان بنا دیتا ہے کہ یہ لوگ صرف خدا سے ڈرتے ہیں اور ساری خدائی ان سے ڈرنے لگتی ہے اور ان کو وہ شان نظر آتی ہے کہ ان کے دشمن بھی ان کو دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں کہ

غیر حق کے سامنے مومن کا سر جھکتا نہیں

یہ وہ طوفان ہے پہاڑوں سے بھی جوڑکتا نہیں

آج کل کے علمائے کرام و مشائخ عظام جو محض اس خوف سے کہ لوگ ہمیں ”جھگڑالو“ یا ”تشدد پسند“ یا ”خشک ملا“ کہیں گے۔ کلمہ حق کہنے سے رکتے اور جھجکتے ہیں اور بد اعمالیوں اور بد اعتقادوں کا رد نہیں کر سکتے۔ کاش ان بزرگان سلف و علمائے حق کے نقش قدم کی پیروی کرتے تو آج کل ملک کے ماحول کا نقشہ ہی بدل جاتا مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ اس دور میں علمائے کرام کا عمل و کردار اس قدر پست اور جوش حقانیت و جذبہ جہاد اتنا مردہ ہو چکا ہے کہ ہر دیکھنے والا ان کو دیکھ کر یہی کہنے لگتا ہے کہ

میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے

قل ہو اللہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ان علمائے حق میں سے ہیں جو اکبری دور کے مشرکانہ و ملحدانہ مراسم اور جہانگیری عہد کی کفر نوازیوں کو مٹانے کے لیے اپنی زبان و قلم سے عمر بھر مصروف جہاد و سرگرم عمل رہے۔ دربار کے خوشامدی علماء سونے آپ کے خلاف جہانگیر کے سامنے ایسے ہی الٹی سیدھی لگائی کہ جہانگیر اپنی سلطنت کے غرور میں آپ کے درپے آزار ہو گیا اور آپ کو دربار میں طلب کر کے نہایت

تلخ کلامی کے ساتھ آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے جہانگیر کے تمام سوالوں کا نہایت ہی معقول و مسکت جواب دیا اور جہانگیر کی قہر آلود دھمکیوں کا ذرہ بھر بھی آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آپ کی کھری کھری باتوں سے جہانگیر جل بھن گیا۔ کوئی جواب نہ بن پڑا مگر حکومت کے نشہ میں آپ کی توہین کرنے لگا اور گوالیار کے قلعہ میں آپ کو قید کر دیا۔ آپ نے جہانگیر کے اس ظالمانہ سلوک کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ قبول فرمایا اور قلعہ کی چہار دیواری میں محبوس ہو کر قیام پذیر ہو گئے۔

ہندوستان میں آپ کے لاکھوں مریدین و معتقدین تھے بلکہ دربار کے بعض امراء سلطنت بھی آپ ہی کے مرید و معتقد تھے۔ آپ کے ایک ادنیٰ اشارے پر جہانگیری حکومت کا تختہ الٹ پلٹ ہو سکتا تھا مگر آپ نے حکومت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں فرمایا لیکن اکبر و جہانگیر کے خلاف شرع، مشرکانہ رسوم اور کفر نوازیوں کے خلاف برابر اپنی زبان و قلم سے نعرہ جہاد بلند فرماتے رہے۔ جہانگیر کو جب آپ کی جلالت شان اور تبلیغی کارناموں کا علم ہوا اور امراء دربار کی نگاہیں کچھ پھری پھری سی نظر آنے لگیں تو اس کو ہوش آیا۔ فوراً آپ کو قید سے رہا کر کے دربار میں انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ مدعو کیا۔ معافی کا خواست گار ہوا بلکہ آپ کے دستِ حق پرست پر تائب ہو کر آپ کا مرید ہو گیا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میرے فرزند شاہزادہ خرم (شاہجہان) کو آپ اپنی خدمت میں رکھ کر اس کی تربیت فرمائیں۔ (علاء حق وغیرہ ص ۴۷)

سبحان اللہ! حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ کے ان ہی مجاہدانہ کارناموں سے متاثر ہو کر ڈاکٹر

اقبال نے سرہند شریف میں مزار پرنوار پر حاضر ہو کر اس طرح نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر

وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلع انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے

اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
 جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
 وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
 اللہ نے بروقت کیا جس کو بے دار
 کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
 آنکھیں میری بینا ہیں و لیکن نہیں بے دار
 آئی یہ صدا سلسلہ فقر ہوا بند
 ہیں اہل نظر کشور پنجاب سے بے زار

یہ میرے رب کا فیصلہ ہے

بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار تھا اس نے پہاڑ کی کھوہ میں اپنا مسکن بنا رکھا تھا وہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل تھا لوگ بھی اس کی نظروں سے دور تھے اس کے قریب پانی کا ایک چشمہ تھا جس سے وہ وضو کرتا اپنی تشنگی دور کرتا اور نباتات سے اپنی غذا حاصل کرتا تھا۔ دن کو روزے سے رہتا اور رات اللہ کی عبادت میں گزارتا۔ اس کا ہر پل اور ہر لمحہ اطاعت و بندگی کی نذر ہوتا تھا چنانچہ سعادت و کامرانی کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عبادت گزار کی خبر ہوئی تو آپ ایک دن اس کے پاس پہنچے لیکن اسے نماز اور ذکر اذکار میں مشغول دیکھ کر واپس چلے گئے پھر رات کو اس کے پاس گئے تو اسے عزیز و غفار رب العالمین کے دربار میں سرگوشی و مناجات میں مگن پایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے سلام کیا اور فرمایا: ”جناب والا! اپنے آپ پر زمی کیجیے۔“ عبادت گزار: ”اے اللہ کے نبی! مجھے خدشہ ہے مبادا اچانک غفلت میں انتقال کر

جاؤں اور اپنے پروردگار کے حضور مجھ سے کوئی کوتاہی ہو جائے۔“

موسیٰ علیہ السلام: ”کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟“

عبادت گزار: ”آپ میرے لیے پروردگار سے اس کی رضا و خوش نودی کی دعا کر دیں اور میری یہ التجا بھی پہنچادیں کہ وہ مجھے زندگی بھر صرف اپنی ہی خوش نودی کے کاموں میں مشغول رکھے حتیٰ کہ میں اس سے جا ملوں۔“

موسیٰ علیہ السلام دعا و مناجات میں مشغول ہو گئے اور اپنے مولیٰ سے لذتِ کلام میں اس قدر ڈوب گئے کہ عبادت گزار کی باتیں یاد ہی نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا:

”آپ سے میرے عبادت گزار بندے نے کیا کہا تھا؟“

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ”میرے پروردگار! تو ہی زیادہ جانتا ہے اس نے تیری رضا و خوش نودی طلب کی ہے اور یہ درخواست بھی کی ہے کہ اس کی زندگی تیری ہی یاد میں گزرے حتیٰ کہ وہ تیرے دربار میں حاضر ہو جائے۔“

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ”اس عبادت گزار کے پاس جائے اور کہیے کہ رات دن جتنی عبادت چاہے کر لے لیکن ہے وہ بہر حال جہنمی کیونکہ میرے صحیفے میں اس کا نام گناہ گاروں کی فہرست میں درج ہے۔“

موسیٰ علیہ السلام جب اس عابد کے پاس گئے اور پروردگار کے فیصلے سے آگاہ کیا تو عابد نے کہا: ”سبحان اللہ! میں اپنے پروردگار کے فیصلے کو خوش آمدید کہتا ہوں ہر چیز میرے پروردگار کے فیصلے کے مطابق رواں دواں ہے اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اس کے فیصلے کو کوئی روک نہیں سکتا۔“

یہ کہہ کر وہ عبادت گزار زور زور سے گریہ و زاری کرنے لگا..... پھر کچھ دیر کے بعد بولا: ”اے موسیٰ! میرے پروردگار کے چاہ و جلال اور عزت و شان کی قسم! میں اس کے در سے پلٹنے والا نہیں اور اس فیصلے کو سن کر ہرگز مایوس نہیں بلکہ اب اپنے پروردگار سے میری

محبت دو بالا ہو گئی ہے۔“

اس کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام دوبارہ اپنے پروردگار سے دعا و مناجات میں مشغول ہوئے تو عرض کیا: ”میرے رب! جو کچھ تیرے عبادت گزار بندے نے کہا ہے اس سے تو اچھی طرح واقف ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اے موسیٰ! میرے اس بندے کو یہ خوش خبری سنا دیجیے کہ وہ جنتی ہے۔ میری رحمت نے اسے جالیا۔ اسے یہ بھی بتا دیجیے کہ اس نے میرا یہ خوش کن فیصلہ اپنے صبر و رضا کے عوض حاصل کیا ہے کیونکہ میرا سابقہ کڑوا فیصلہ سن کر بھی وہ چپیں بہ جبیں نہ ہوا تھا اگر وہ آسمان و زمین بھر گناہ بھی ساتھ لائے تب بھی میں اسے بخش دوں گا‘ میں کریم اور غفار ہوں۔“

جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ خوش خبری اس عبادت گزار کو سنائی تو وہ سجدے میں گر گیا‘ پروردگار کی حمد و ثنا کرنے لگا اور زبانِ حال سے کہنے لگا

سب کے دل میں ہے جگہ میری جو تو راضی ہوا

مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا

پھر اس طویل سجدے ہی میں اس نے اپنی جان جانِ آفریں کے حوالے کر دی۔

(سنہرے نقوش مطبوعہ دارالسلام)

سلطان المشائخ اور خیر خواہی عالم

مولانا ضیاء الدین برنی فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق کے وقت سے چاشت کے وقت تک آپ کے جان بخش کلمات اور روح افزاء گفتگو سننے میں مشغول رہا اس روز بہت سے بندگانِ خدا سلطان المشائخ کی خدمت میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوئے اور دولتِ ابدی سے مشرف ہوئے اس

وقت میرے دل میں خطرہ گزرا کہ مشائخ سلف مرید کرنے میں نہایت احتیاط کرتے تھے اور خوب غور و تامل کے بعد کسی کو مرید کیا کرتے تھے۔ سلطان المشائخ انتہا درجہ کے کرم اور مہربانی کی وجہ سے عام و خاص کی دست گیری کرتے اور بغیر امتحان و امتیاز کے لوگوں سے بیعت لیتے ہیں۔ میرے دل میں آیا کہ آپ سے اس بارے میں دریافت کرنا چاہیے لیکن چونکہ حضور مکاشف عالم تھے فوراً میرے اس خیال سے واقف ہو گئے اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: ”مولانا ضیاء الدین! تم ہر بات کو مجھ سے دریافت کرتے ہو لیکن کبھی یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کیے آنے والوں کو بیعت کیوں کر لیتا ہوں؟“

سلطان المشائخ کی یہ بات سن کر میں سر سے پاؤں تک لرز اٹھا اور حضور کے قدموں میں گر کر عرض کیا: ”عرصہ سے یہ مشکل اور دشواری مجھے درپیش تھی، آج بھی میرے دل میں یہ خیال گزرا تھا۔“

فرمایا: ”تو سنو! خدا تعالیٰ نے ہر زمانے میں اپنی حکمت بالغہ کی ایک خاصیت پیدا کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے کے آدمیوں کا طریقہ اور رواج و رسم علیحدہ ہوتا ہے اور زمانے کی رفتار لوگوں میں اس درجہ اثر کرتی ہے کہ زمانہ موجودہ کے لوگوں کے مزاج اور طبیعت گزشتہ لوگوں کے طبائع سے بالکل مشابہت نہیں رکھتے البتہ بہت کم آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کی طبیعتیں پہلے لوگوں کی طبیعتوں سے ملتی جلتی ہیں اور یہ بات تجربات سے خوب واضح ہوتی ہیں جب اس قدر بات معلوم کر چکے تو یہ بھی معلوم کرو کہ مرید کی اصل ارادت یہ ہے کہ وہ غیر حق سے قطع تعلق کر کے مشغول بحق ہو جائے۔“

سلف کا قاعدہ تھا کہ جب تک مرید میں کلی انقطاع نہ دیکھتے تھے اس کے ہاتھ میں دست بیعت نہ دیتے تھے لیکن شیخ ابوسعید ابوالخیر کے زمانے سے شیخ سیف الدین باخرزی کے عہد تک اور شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردی کے عہد مبارک سے حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے زمانے تک ایک اور ہی طریقہ نے

جلوہ گری کی تھی۔ ان اولوالعزم اور جلیل القدر بادشاہوں کے دروازوں پر جن کے علو درجات اور کرامات شرح سے مستغنی ہیں ہر وقت ہجوم خلایق رہتا تھا اور ہر چار طرف سے بادشاہ امراء مشاہیر اور دیگر لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اخروی مہلکات کے خوف سے اپنے تئیں ان عاشقانِ خدا کی پناہ میں ڈال دیتے تھے کیونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ محبوبانِ خدا کا سا معاملہ ہر شخص کے ساتھ دوسروں پر قیاس کر کے برتا جاتا۔ پس شیخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ سیف الدین باخزری اور شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ اسرارہم۔ لوگوں کو اسی طرح مرید کیا کرتے تھے جس طرح کہ میں کرتا ہوں اور اس زمانے کے موافق یہی ٹھیک بات ہے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کا ایک محبوب اور پسندیدہ شخص ایک جہاں کے گناہ گاروں کو اپنے سایہ حمایت میں لینا چاہے تو لے سکتا ہے اب میں تمہارے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

”سنو! میں جو مریدوں سے بیعت لینے میں زیادہ احتیاط اور تفتیش نہیں کرتا تو اس کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ میں سنتا ہوں کہ بہت سے لوگ میری بیعت میں داخل ہونے سے معصیت و گناہ سے باز رہتے ہیں نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں اور ادو توافل میں مشغول و مصروف ہوتے ہیں اگر میں پہلے ہی سے ارادت کے شروط و قیودان سے بیان کروں اور ان شرائط کے بجا لانے پر مجبور کروں نیز خرقہ توبہ تبرک جو خرقہ ارادت کے قائم مقام ہیں نہ دوں تو اس قدر بجا نیان جوان سے ظہور میں آتی ہیں وہ ان سے محروم و بے نصیب رہیں۔ دوسرے یہ کہ مجھے شیخ سے اس بات کی اجازت ہے کہ بغیر کسی سفارش یا التماس یا وسیلہ کے بدون کسی تفتیش و کرید کے لوگوں سے بیعت لوں اور جب میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان آدمی عجز و اضطراب اور مسکنت و بیچارگی کے ساتھ میرے پاس آتا اور بصد الجاح کہتا ہے کہ میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں تو مجھے اس سے بیعت لینے میں کوئی چیز مانع ہو سکتی ہے؟ خاص کر جب کہ میری نسبت میں اس کے صادق ہونے کا غالب احتمال ہوتا ہے۔ پس ایسی صورت میں مجھے اس سے بیعت لینا ضروری

ہو جاتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ میں نے نہایت ثقہ اور راست باز لوگوں سے سنا ہے کہ جو لوگ میری ارادت و بیعت میں داخل ہوتے ہیں وہ تمام گناہوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔“ (تاریخ مشائخ چشت ص ۲۸۹-۲۹۲)

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے

حضرت سیدنا حذیفہ مرعشی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت سیدنا شقیق بلخی رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً آئے تو حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے دونوں عظیم بزرگ مسجد حرام میں جمع ہوئے۔ حضرت سیدنا ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا شقیق بلخی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”رزق کے معاملے میں تمہارا کیا حال ہے؟“

فرمایا: ”جب کھانے کو مل جاتا ہے تو کھا لیتے ہیں اگر نہ ملے تو صبر کرتے ہیں۔“
حضرت سیدنا ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”یہ حال تو ہمارے بلخ کے کتوں کا ہے کہ جب کھانے کو مل جائے تو کھا لیتے ہیں اور نہ ملے تو صبر کرتے ہیں۔“
پھر حضرت سیدنا شقیق بلخی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ”اچھا! آپ کی اس معاملے میں عادت کیا ہے؟“ فرمایا: ”ہمارا تو حال یہ ہے کہ کوئی چیز کھانے کو ملے تو صدقہ کر دیتے ہیں اور جب بھوکے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی تعریف بجالاتے اور شکر ادا کرتے ہیں۔“

جب حضرت سیدنا شقیق بلخی رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ گئے اور کہا:

”اے ابواسحاق رضی اللہ عنہ! آج سے آپ ہمارے استاذ ہیں۔“ (عیون الحکایات)

☆..... حضرت سیدنا احمد بن محمد صوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے استاذ

حضرت سیدنا ابو عبد اللہ بن ابوشیبہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا:

”ایک مرتبہ میں بیت المقدس میں تھا میری خواہش تھی کہ آج رات مسجد میں ہی

قیام کروں اور تنہا عبادتِ الہی میں مصروف رہوں لیکن مجھے رات گزارنے کی اجازت نہ ملی۔ کچھ دنوں بعد دوبارہ مسجد میں گیا تو برآمدے میں کچھ چٹائیاں رکھی دیکھیں، میں عشاء کی نماز باجماعت ادا کر کے چٹائیوں کے پیچھے چھپ گیا۔ نمازیوں کے چلے جانے کے بعد دروازے بند کر دیئے گئے جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ اب کوئی نہیں تو میں صحن میں آ گیا۔ اچانک محراب کی دیوار شق ہوئی اور ایک شخص اندر داخل ہوا پھر دوسرا اور تیسرا اسی طرح سہت آدمی وہاں جمع ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ انہیں دیکھ مجھ پر ہیبت طاری ہو رہی تھی۔ میں سکتہ کے عالم میں اپنی جگہ کھڑا نہیں دیکھتا رہا پھر صبح صادق سے کچھ دیر قبل وہ جس راستے سے آئے تھے اسی سے باہر چلے گئے پھر دیوار برابر ہو گئی۔“ (ایضاً)

بندوں کا رزق

ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بعض سرداروں نے سیر و سیاحت میں جو کام میں نے زیادہ تعجب کا کیا تھا اس کا حال مجھ سے پوچھا میں نے کہا: ”میں اپنی سیر و سیاحت میں دریا کے کنارے پر دنوں اور مہینوں جس قدر اللہ نے چاہا، مقیم رہا اور میں تو نیا بنا تا تھا اور ان کو دریا میں ڈالتا تھا۔ وہ تو نیاں دریا کی نہر خلیج (شاخ دریا) کی طرف جاتی تھیں۔ ایک دن میں نے غور کیا کہ یہ تو نیاں کہاں جاتی ہیں؟ چنانچہ میں ان کے مقابل میں دریا کے کنارے پر چلا۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت نہر پر بیٹھی رو رہی ہے میں نے اس سے کہا: ”تجھے کیا چیز لڑاتی ہے اور تیرے رونے کی وجہ کیا ہے؟“

اس نے کہا: ”میری پانچ لڑکیاں ہیں اور ان کا باپ مر گیا ہے اور ہم کو فاقہ پہنچا ہے اور میں نہیں جانتی تھی کہ میں کیا کروں۔ میں اس نہر کی طرف نکلی۔ چنانچہ میں نے تو نیاں پائیں اور ان کو لیا اور واپس گئی اس کے بعد میں نے ان کو فروخت کیا اور لڑکیوں کے

واسطے کھانے کا غلہ وغیرہ خریدا۔ جب وہ ختم ہو گیا تو پھر نہر کی طرف نکلی اور تونبیاں پائیں اور ان کو لیا اور فروخت کیا اور اس سے کھانا خریدا اور اب میری یہ حالت ہو گئی کہ میں اور میری لڑکیاں اسی سے اپنی خوراک بناتی اور بسر اوقات کرتی رہیں لیکن آج جو میں یہاں آئی تو تونبیاں کا کچھ نشان نہ پایا اور میری لڑکیاں میزی واپسی کی منتظر ہوں گی۔“

جب میں نے یہ سنا تو میں رویا اور کہا: ”اے میرے رب! اگر میں جانتا کہ اس کے پانچ اہل و عیال ہیں تو کام میں ضرور زیادتی کرتا۔“

میں نے اس سے کہا: ”تم غمگین نہ ہو میں ہی تونبیاں بنانے والا ہوں۔“

اس کے بعد میں اس کے ساتھ اس کے گھر آیا اور ان کے واسطے مدت تک تونبیاں بنائیں پھر اللہ تعالیٰ کی صنعت میں غور کرتا ہوا میدان کی طرف واپس آیا اور ایک درخت کے نیچے سویا۔ میرے پاس شیطان آیا اور مجھ سے کہا: ”یہاں سے اٹھو۔“

میں نے اس سے کہا: ”تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس سے الگ ہوتا کہ میں آرام کر لوں۔“

اس نے مجھ سے کہا: ”اے ابراہیم! میرے ساتھ حلال اور حرام ہیں حلال تو اس پہاڑ کا انار ہے جو مباح ہے اور حرام وہ مچھلیاں ہیں جن کو میں نے شکاریوں سے لیا ہے جن میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے خیانت کی تھی۔ پس تم حلال کو لو اور حرام کو چھوڑو۔“

اس کے بعد میں نے انار لیا اور اس بڑھیا کی طرف واپس آ کر اس کو وہ انار دیا۔ چنانچہ اس نے اپنی لڑکیوں کے ساتھ اس کو کھایا اس کی عمدگی اور شیرینی سے وہ تعجب کرتی تھیں اس کے بعد میں صبح و شام ان کی خبر گیری کرنے لگا۔ ایک دن میں مسجد میں ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا تھا ناگاہ میں نے ایک بُری آواز سنی اس کے بعد میں مسجد سے اس گلی کے سرے پر گیا جہاں سے وہ بُری آواز آئی تھی اور تھوڑی دیر میں نے توقف کر کے واپسی کا ارادہ کیا مگر میرے نفس نے مجھے پھیرا اور میں گلی میں داخل ہوا۔ ناگاہ میں نے

دیکھا کہ ایک کتابچہ پر بھونکتا ہے اور میرے منہ کے سامنے کھڑا ہے اس کے بعد میں مسجد کی جانب واپس آیا تھوڑی دیر غور کیا پھر میں اسی جگہ لوٹ آیا جب میں نے کتے کی طرف نظر کی تو اس نے اپنی دم ہلائی۔ میں اس کے گھر کے دروازے کے قریب ہوانا گاہ میں نے ایک جوان خوش رو پسندیدہ خود دیکھا کہ وہ گھر سے نکلا اور میری طرف دیکھ کر کہا: ”اس کتے کے بھونکنے سے تعجب نہ کرو اس لیے کہ جو شخص سمجھتا ہے اس کے لیے یہ تادیب ہے میں ایک بدکار آدمی ہوں اور میں فلاں فلاں گناہوں کا ارتکاب کر چکا ہوں اور جو میری تقدیر میں لکھا جا چکا ہے میں اس کو کر چکا ہوں لیکن تم مجھ سے عہد و پیمانہ لو کہ میں جس حالت پر تھا اب اس کی طرف نہ پلٹوں گا۔“

چنانچہ اس جوان نے توبہ کی اور اس کی توبہ قبول ہوئی پھر تو اس کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ بغیر اللہ کے اور کسی چیز سے اُلفت نہیں کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہیں تھکتا تھا نہ اس کی بندگی میں کمی کرتا تھا حتیٰ کہ اس کی موت آگئی اور وہ پروردگارِ عالم سے جا ملا بعد اس کے کہ وہ اللہ کے تابع دار اولیاء سے اور اس کے برگزیدہ محبتوں سے ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی خوش نودی اس پر اور تمام اولیاء پر نازل ہو۔ (انوارِ محبوبی ترجمہ نوا در قلیوبی)

بڑے پاک صورت بڑے نیک سیرت

تابعی محدث یزید بن حبیب ایک مرتبہ بیمار ہو گئے تو مصر کا گورنر ابن سہیل ان کی عیادت کے لیے آیا۔ درمیان گفتگو گورنر نے یہ مسئلہ پوچھا: ”جس کپڑے پر مچھر کا خون لگ گیا ہو وہ کپڑا پہن کر نماز جائز ہے یا نہیں؟“

امام ممدوح گورنر کا یہ سوال سن کر غصہ میں بھر گئے اور انتہائی غضب میں ہو کر حقارت کے ساتھ اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہ دیا اور جب گورنر چلنے لگا تو اس کی طرف قہر بھری نگاہوں سے دیکھ کر فرمایا: ”تو روزانہ خدا کے بندوں کا خوقِ ناحق بہا تار ہتا۔“

ہے اور آج پچھر کے خون کا فتویٰ پوچھنے چلا ہے۔“ (ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۳)

ظالم و بدکار اور فساق و فجار کی تنبیہ کے لیے ان کے سوالوں کا اس طرح جواب دینا اور بلا خوف ان کی بد اعمالیوں پر انہیں جھڑک کر جھنجھوڑ دینا اکثر علمائے سلف کا طریقہ رہا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر صحابی رضی اللہ عنہما کا مشہور واقعہ ہے کہ حج کے ایام میں ایک کوئی ان سے یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے آیا کہ احرام کی حالت میں پچھر مارنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے انتہائی غضب و جلال میں آکر یہ فرمایا کہ آج یہ کوئی پچھر مارنے کا فتویٰ پوچھنے چلے ہیں کل جب ان ہی کو فیوں نے جگر گوشہ رسول اور فرزند بتول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا کر بلا میں خون بہایا تو اس وقت یہ لوگ مجھ سے کیوں نہیں مسئلہ پوچھنے کے لیے آئے تھے؟ (بخاری شریف)

دورِ حاضر کے علمائے کرام کو بھی یہی طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے کہ اکثر مال دار لوگ اپنی سیاہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے علمائے کرام سے کبھی کبھی تقویٰ اور تقدس مآبی کے مسائل پوچھا کرتے ہیں تو علمائے کرام کو چاہیے کہ بالکل نڈر ہو کر یہ کہہ دیں کہ

بڑے پاک صورت بڑے نیک سیرت
نیاز آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

گناہوں سے حفاظت

بیان کرتے ہیں کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک ایسا عبادت گزار تھا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے واسطے ایک ویران عبادت گاہ میں تنہا رہتا تھا اور رئیس موضع ہر روز صبح و شام اس کے پاس آتا تھا اور اس کی اس عبادت پر بہت سے لوگ اس کی تعریف کرتے تھے اس کے بعد لوگوں نے اس کو ایک ایسی حسینہ عورت کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی کہ اس کے زمانہ میں کوئی عورت اس سے زیادہ خوب صورت نہ تھی اور یہ یوں ہوا کہ وہ عورت

عابد کے پاس آئی اور اپنی بلند آواز سے پکارا: ”اے وہ شخص جو انسانوں اور جنوں سے بہت جزا دینے والے کی عبادت کے واسطے علیحدہ ہوا ہے میں تجھ سے اللہ یکتا اور بڑے احسان کرنے والے کا واسطہ دے کر درخواست کرتی ہوں۔“ نیز حضرت موسیٰ بن عمران اور محمد (ﷺ) جو کہ آخر زمانہ میں مبعوث ہوں گے ان کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ مجھے اندھیری رات میں ہر شیطان سے بچا اس لیے کہ رات بہت اندھیری ہے اور گاؤں دور ہے اور میں ان حادثات سے جو رات کو پیش آتے ہیں ڈرتی ہوں۔ چنانچہ عابد نے اس کے لیے دروازہ کھول دیا پس جب وہ عورت عبادت خانے میں داخل ہوئی تو اس نے اپنا کپڑا عابد کے سامنے پھیلا یا اور ننگی ہو کر کھڑی ہو گئی اور اپنا جسم اس پر ظاہر کر دیا (یہ دیکھ کر) عابد نے اپنی آنکھ اس سے بند کر لی اور اپنے نفس کو اس سے محفوظ رکھا اور اس سے کہا: ”کیا تجھے اس ذات پاک سے شرم نہیں آتی جو تجھے دیکھ رہا ہے اور تیرا بھید اور راز جانتا ہے؟“

اس بے حیا عورت نے اس سے کہا: ”مجھ سے بات نہ بڑھاؤ تم کو میرے حسن و

جمال سے ضرور فائدہ اٹھانا پڑے گا۔“

پس عابد نے اس سے کہا: ”تیری عقل پر افسوس ہے کیا تو روغنِ قطران (تارکول

کی طرح ایک روغن ہے جو پہاڑی سرو سے نکالا جاتا ہے) اور اس آگ سے نہیں ڈرتی

جو بدنوں کو جلا دیتی ہے۔ کیا تو گزشتہ زمانہ کی میری عبادت کو برباد کرے گی؟ کیا تجھ کو اس

آگ سے جو بجھتی نہیں اور اس عذاب سے جو فنا نہیں ہوتا خوف نہیں ہے؟“

اللہ کی مدد اور شیطان کا اوپلا

اس کے بعد اس عورت نے عابد سے اپنی خواہش پھر طلب کی اور اپنے مطلب کا

اعادہ کیا۔ چنانچہ عابد نے اس سے کہا: ”میں تجھ پر جھوٹی آگ پیش کرتا ہوں۔“

اس نے چراغ تیل سے بھرا اور بتی کو اس میں مخلوط کیا اور وہ عورت دیکھ رہی تھی پھر

اس نے اپنا انگوٹھا اس پر رکھا چنانچہ آگ اس کو کھا گئی پھر وہ آگ انگشت شہادت تک پہنچی

اور زائل نہ ہوئی حتیٰ کہ اس کی ہتھیلی کو بھی کھا گئی اور وہ عابد کہتا تھا: ”یہ دنیا کی آگ ہے آخرت کی آگ کا کیا حال ہوگا۔“

یہ دیکھ کر عورت نے سخت چیخ ماری اور مردہ ہو کر گر پڑی۔ چنانچہ عابد اس کے حال سے متحیر ہو گیا اس نے عورت کے کپڑے سے اس کو چھپا دیا اور خود نماز کے واسطے کھڑا ہو گیا اس کے بعد پولیس نے شہر میں پکارا: ”فلاں عابد نے فلانی عورت سے زنا کیا اور اپنے عبادت خانہ میں اس کو مار ڈالا۔“

امیر شہر نے یہ سنا اور صبح بھی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ عابد کے پاس پہنچ گیا اس کو آواز دی عابد نے اس کو جواب دیا پھر امیر شہر نے کہا: ”فلانی عورت کہاں ہے؟“

عابد نے کہا: ”خبردار ہو کہ وہ میرے پاس ہے۔“

امیر شہر نے اس سے کہا: ”اس عورت سے کہو کہ ہمارے پاس نیچے اترے۔“

عابد نے اس سے کہا: ”وہ تو مردہ ہے۔“

(یہ سن کر) امیر نے گمان کیا کہ جو کچھ اس نے سنا ہے سچ ہے اس نے کہا:

”اے زاہد! جس عبادت پر تو قائم تھا اس کو تو نے توڑ ڈالا اور برباد کیا اور تو نے اس سے خوف نہ کیا جو تجھ کو پرہیزگاری کی حالت میں دیکھتا تھا یعنی تو نے اللہ تعالیٰ کا خوف نہ کیا اور تو نے اس کی لونڈی کے قتل پر کیونکر جرأت کی اور اس کام اور اس کے انجام سے تو نہ ڈرا۔“

عابد اس کے سوال کی ہیبت سے متحیر ہو چکا ہو گیا اور اس کو یہ نہ معلوم ہوا کہ اس کا کیا جواب دے اس کے بعد امیر نے اس کے عبادت خانہ کے گرا دینے کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ اس کی گردن میں زنجیر ڈال دی جائے اور وہ عذاب کے مقام تک گھیٹا جائے۔ وہ عورت لکڑیوں کے تختہ پر اس کے ساتھ تھی۔ امیر نے عابد کو آرا سے چیرنے کا حکم دیا کیونکہ اس اطراف میں زانیوں کی سزا کا یہی طریقہ اور عادت تھی۔ اس نے یہ بھی حکم دیا کہ عابد کے بارہ میں نہ تو کوئی سفارش کرے اور نہ اس کو منع کرنے اور نہ اس کی کوئی

حمایت کرے۔ چنانچہ جب اس کے سر پر آرا رکھا گیا تو اس نے حاسدوں کے انتقام اور ان کے کینہ کی وجہ سے ایک آہ کھینچی اور اپنے دل اور زبان سے ندا دی: ”اے بھیدوں کے جاننے والے! اتنا ہی اس کی زبان سے نکلا تھا کہ ناگاہ اس نے یہ آواز سنی کہ اپنی دعائے کام کرو کیونکہ میرے آسمان والے تم پر رورہے ہیں اور میں تمام حالات میں تیری جانب دیکھتا ہوں اگر تم نے دوسری مرتبہ آہ کی تو سب آسمان اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی روح اس پر واپس کر دی اور وہ زندہ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ چنانچہ اس عورت نے آواز دی: ”واللہ یہ عابد مظلوم ہے اس نے مجھ سے زنا نہیں کیا ہے۔ میں اب تک اپنے رب کی مہربانی سے باکرہ اور دو شیرہ ہوں۔“ پھر اس عورت نے لوگوں سے وہ قصہ بیان کیا جو عابد نے اپنے ہاتھ کے ساتھ کیا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے اس کا ہاتھ نکالا تو اس کو ویسا ہی دیکھا جیسا کہ اس عورت نے ذکر کیا تھا۔ امیر اپنے فعل پر نادم ہوا اور کہا: ”یہ بہت بڑا مکر ہے۔“

پھر عابد نے ایک سخت چیخ ماری اور مر گیا اس کے بعد لوگوں نے اس کو اس عورت کے ساتھ اس کے دوبارہ مرنے کے بعد دفن کیا۔ پس نہیں ہے گناہوں سے پھرنا اور نہ عبادت کی طاقت مگر اللہ برتر اور بڑے کی مدد اور توفیق دائمی سے۔ (قلیوبی)

شاہ ولی اللہ اور نجف خاں

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اس دور میں جب کہ ہندوستان کی درس گاہوں میں ہر طرف منہلق و فلسفہ کا دور دورہ تھا آپ نے قرآن و حدیث کے درس کا چرچا کیا۔ فارسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ لکھا اور دوسری مفید کتابیں تصنیف فرمائیں۔ کچھ عرصہ کے لیے حریم شریفین میں بھی مقیم رہے۔ شاہ عالم بادشاہ کے دور میں نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں ایرانی امیر الامراء تھا اس کے عہد میں رافضیت کی

بڑی ترویج و اشاعت ہوئی یہاں تک کہ دہلی میں عام طور پر خلفائے راشدین کی منقبت نہیں بیان کی جاسکتی تھی۔ ہر طرف تعزیر پرستی اور تفصیلیت کی گرم بازاری اور دھوم دھام تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے اسی گمراہی کے استیصال کے لیے قلم اٹھایا اور اپنی مشہور کتاب ”ازالۃ الخفاء“ تصنیف فرمائی اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ روافض میں کھرام مچ گیا یہاں تک کہ امیر الامراء نجف خاں کو اس کی خبر کی گئی اس نے آپ سے کہا: ”آپ کوئی ایسی کتاب نہ لکھیں جس سے روافض کو تکلیف پہنچے۔“

آپ نے انتہائی ایمانی جرأت کے ساتھ یہ جواب دیا: ”میرا بحیثیت عالم دین کے فرض ہے کہ میں حق بات کا اپنی زبان و قلم سے ضرور ضرور اظہار کرتا رہوں اس لیے میں مذہب اہل سنت کی حمایت سے کبھی بھی اپنے قلم کو نہیں روک سکتا۔“

نجف خاں نے آپ کے اس مجاہدانہ جواب سے آپ کو اور آپ کے بھائی حضرت شاہ عبدالقادر کو دہلی سے شہر بدر کر دیا۔ چنانچہ نجف خاں کے مرنے کے بعد آپ پھر دہلی واپس آ گئے۔ ۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ میں آپ پیدا ہوئے اور ۷ شوال ۱۲۳۹ھ میں وصال فرمایا۔ (علماء حق ص ۵۱)

دو عبرت خیز نتائج

مندرجہ بالا حکایت سے دو عبرت خیز نتائج بہت ہی صاف طور پر برآمد ہوتے ہیں:

(۱) علمائے سلف نے دین کی حفاظت و خدمت میں ظالم امراء اور بادشاہوں کے ہاتھوں کیسی کیسی ہوش زبا مصیبتیں اٹھائی ہیں مگر مصائب و آلام کے ان طوفان میں بھی وہ برابر ملت اسلامیہ کی کشتی کی ناخدائی کرتے رہے اور تعلیم رسول کے مقدس سفینہ کو غرقاب ہونے سے بچاتے رہے یہاں تک کہ دین اسلام صحیح و سلامت حالت میں ہم لوگوں تک پہنچا۔ یہ علمائے سلف کا امت رسول ﷺ پر اتنا بڑا احسان عظیم ہے کہ قیامت تک امت مسلمہ ہزاروں شکر یہ ادا کرنے کے باوجود اس بار منت سے سبکدوش نہیں ہو سکتی لہذا ان مسلمانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو دن رات علمائے امت پر طعنہ زنی

کرتے رہتے ہیں اور برملا یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ مولویوں نے سوائے مسجد کا لوٹا توڑنے اور مفت خوری کے قوم کے لیے کچھ کام ہی نہیں کیا۔ لہذا انصاف کیجیے کہ اکبر بادشاہ اور جہانگیر بادشاہ کی کفری رسومات اور اکبر کے ایجاد کردہ ”دین الہی“ کے خلاف اگر حضرت مجدد الف ثانی نے نعرہ جہاد نہ بلند کیا ہوتا تو شاید ملحدوں نے اب تک اسلام کا حسین و جمیل نورانی چہرہ مسخ کر دیا ہوتا اور ہندوستان میں حقیقی اسلام کا خدو خال لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا اسی طرح اگر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے کمر کس کر زور و افوض کا بیڑا نہ اٹھایا ہوتا تو روافض حکام نے اپنے ظالمانہ جبر و قہر سے غالباً اہل سنت کا جنازہ نکال دیا ہوتا مگر آج انہی علمائے حق کی مجاہدانہ مساعی کا نتیجہ ہے کہ اکبر کا ”دین الہی“ اور اس کی مشرکانہ رسومات دفن ہو گئیں اور ان کی قبروں کا بھی کہیں نام و نشان نہیں ملتا اور حقیقی اسلام کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ ہندوستان کے گوشے گوشے میں آج بھی چمک رہا ہے اور بجدہ تعالیٰ اہلسنت کا پرچم عظمت اپنی قدیمی شان کے ساتھ سر بلند ہو کر باشندگان ہند کے دل و دماغ کی دنیا میں لہرا رہا ہے۔

اب خدا ہی میری کشتی کو بچائے تو بچے

زمانہ حال کے علماء کے لیے بھی ان نورانی حکایت میں بہت بڑی عبرت کا سامان ہے کہ ہمارے بزرگوں کی خدمت دین اور تبلیغ اسلام میں جو مشکلات و مصائب درپیش ہوا کرتے تھے اور علمائے سلف جیسے جیسے ہوش رُبا اور حوصلہ شکن آفتاب و محن کا شکار ہوا کرتے تھے۔ آج ہمارے لیے ان مشکلات و مصائب کا سوال حصہ بھی نہیں ہے پھر بھی ہم پست ہمت ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہوئے ہیں نہ کوئی تبلیغی مرکز قائم کرتے ہیں نہ تصنیفات کے قوم کو صاف ستھرا لٹریچر دیتے ہیں نہ کوئی تنظیم کر کے اجتماعی حیثیت سے کوئی مذہبی تحریک چلاتے ہیں۔ الحاد و بے دینی کا سیلاب کیونزیم کی شکل میں اور بد مذہبیت کا طوفان مختلف تحریکوں کی صورت میں پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے جا رہا

ہے اور علماء اہل سنت خاموش تماشا شائی بنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہیں کچھ فکر ہی نہیں کہ کتنا بھیانک انقلاب اژدھے کی طرح منہ پھاڑے چلا آ رہا ہے۔ بار بار پکارنے اور فریاد کرنے کے باوجود کوئی ”لبیک“ کہنے والا تو کجا؟ کوئی پکار سننے کو بھی تیار نہیں اور بالکل وہی حال ہو گیا ہے جو کسی عربی شاعر نے اپنے ایک قطعہ میں ارشاد فرمایا

فَلَوْ نَادَيْتَ حَيًّا لَا سَتَجَابَا
وَلَكِنْ لَا حَيَاةَ لِمَنْ تُنَادِي
وَلَوْ نَارًا نَفَخْتَ بِهَا أَضَاءَ ت
وَلَكِنْ أَنْتَ تَنْفِخُ فِي الرَّمَادِ

”اگر تم کسی زندہ کو پکارتے تو وہ ضرور تمہاری پکار کا جواب دیتا لیکن تم تو اس شخص کو پکار رہے ہو جس میں زندگی ہی نہیں اگر تم آگ میں پھونک مارتے تو وہ ضرور روشن ہو جاتی لیکن تم تو راکھ میں پھونک مار رہے ہو۔“ خداوند کریم اپنا فضل و کرم فرمائے اور غیب سے دین و مذہب کی بقاء و ترقی کا سامان پیدا فرمائے۔ آمین!

اب خدا ہی مری کشتی کو بچائے تو بچے
ظلمتیں یاس کی ہیں شام ہے طوفانوں کی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی کا آخری دن

ذوالحجہ ۲۳ ہجری کے آخری ایام میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لیے نکلے آپ کا معمول تھا کہ جب تک مقتدیوں کی صفیں بالکل سیدھی نہ ہو جائیں تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔ آپ نماز پڑھانے کے لیے مصلیٰ پر کھڑے ہوئے اچانک نمازیوں کی صفوں میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا مجوسی غلام ابولؤلؤہ آپہنچا اس کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا جس کے دونوں طرف دھار تھی۔ وہ نمازیوں کے بیچ سے نکلتا ہوا سیدھا امیر المؤمنین کے پاس پہنچا

اور خنجر کے تابڑ توڑ وار کرنے لگا اس نے امیر المومنین پر چھ وار کیے ایک وار آپ کے زیر ناف کیا۔ یہی وہ کاری ضرب تھی جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ کے پیچھے کلیب بن ابوالکبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ ابولؤلؤہ نے انہیں بھی خنجر مار دیا اس طرح ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ امیر المومنین کو خنجر کا زہر لگا تو آپ گریڑے اسی حالت میں دریافت فرمایا: ”کیا مقتدیوں میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ موجود ہیں؟“ پھر آپ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھا دیا تاکہ وہ نماز پڑھائیں۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بدستور زمین پر پڑے رہے۔ نماز کے بعد آپ کو اٹھا کر گھر لایا گیا، آپ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

”إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَعْهَدَ إِلَيْكَ -“ میں آپ کو ایک ذمہ داری دینا چاہتا ہوں۔“
 حضرت عبدالرحمن بن عوف: ”میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آپ مجھے خلافت قبول کرنے کا مشورہ تو نہیں دیں گے؟“ امیر المومنین: ”اللہ کی قسم! نہیں۔“
 حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وَاللَّهِ! لَا أَدْخُلُ فِيهِ أَبَدًا -
 ”اللہ کی قسم! پھر تو میں خلافت کے پیچ و خم میں کبھی نہیں پھنسوں گا۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”بس اب اس سلسلے میں خاموش رہو، کسی سے کوئی بات نہ کرو یہاں تک کہ میں ان لوگوں کو خلافت کی پیش کش کروں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخر دم تک راضی تھے۔ میرے پاس علی، عثمان اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو بلا لاؤ اور طلحہ رضی اللہ عنہ کا بھی انتظار کر لو اگر وہ بھی آجاتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ تم لوگ انہی میں سے کسی کو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔“

پھر آپ رضی اللہ عنہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ”اے علی! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں اگر تم مسلمانوں کے کسی کام کے ذمہ دار

بنو تو اپنے خاندان کے افراد کو دوسرے لوگوں پر ترجیح مت دینا۔“

یہی بات آپ ﷺ نے حضرت عثمان اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما سے بھی کہی۔ پھر فرمایا:

”تم لوگ جاؤ اور باہمی مشورے سے کسی ایک کو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔“

پھر آپ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کی نمازوں میں امامت کریں پھر حضرت ابوطحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلا کرتا کید فرمائی کہ آپ یہاں دروازے پر کھڑے رہیں اور کسی کو ان کے مشوروں میں مداخلت نہ کرنے دیں پھر آپ نے یہ وصیتیں فرمائیں: ”میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ انصارِ مدینہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور ان کا خیال رکھے کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس رسولی ﷺ کی خاطر بے حد قربانیاں دی ہیں اور ایمان و آخرت ہی کو جائے پناہ بنائے رکھا۔ میری وصیت ہے کہ انصار کے اچھے لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور ان میں سے جو لوگ بُرے ہیں ان کی غلطیوں کو نظر انداز کیا جائے۔ میں اپنے بعد کے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ عربوں کا خیال رکھے کیونکہ دراصل عرب ہی اسلام کی جڑ ہے۔ ان کے مال داروں سے صدقے اور خیرات لیے جائیں اور غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو جو عہد و پیمانہ دے اسے پورا کرے۔ یہی رسول اکرم ﷺ کی تعلیم ہے۔ اے اللہ! تو گواہ رہ! میں نے اپنی حد تک تیرا بیعت م پھنچا دیا۔“

ان ارشادات کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے

فرمایا: یا عبد اللہ بن عمر! اُخْرَجَ فَاَنْظُرْ مَنْ قَتَلَنِي

”عبداللہ بن عمر! جا کر دیکھو کہ میرا قاتل کون ہے۔“

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”اے امیر المؤمنین! آپ کا قاتل حضرت مغیرہ

بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا نصرانی غلام ابولولؤہ ہے۔“

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَجْعَلْ مِيتَتِي بِيَدِ رَجُلٍ سَجَدَ لِلَّهِ سَجْدَةً وَاحِدَةً .

”تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے میری موت کسی ایسے آدمی کے

ذریعے واقع نہیں ہونے دی جس نے اللہ کے لیے ایک بھی سجدہ کیا ہو۔“

پھر آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اِذْهَبْ اِلَى عَائِشَةَ فَسَلْهَا اَنْ تَاذِنَ لِيْ اَنْ اُدْفَنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ .

”اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ کیا وہ اجازت دیتی

ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جاؤں؟“

جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اُم المؤمنین کے پاس اجازت لینے کے لیے پہنچے تو وہ

زار و قطار رو رہی تھیں۔ انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو جواب دیا: ”میری تمنا تھی کہ

مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد کی قبر کے پاس دفن کیا جائے مگر آج میں اپنے آپ پر

امیر المؤمنین کو ترجیح دوں گی۔“

چنانچہ ان کی مکرر اجازت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیے گئے۔

(البدء والتاريخ ۵/۱۸۹ او اکامل فی التاريخ ۲/۳۳۷ و تاریخ ابن خلدون ۲/۵۶۹)

کر و مہربانی تم اہل زمین پر

سیر الاولیاء کے مصنف امیر خوردر کرمانی نے لکھا ہے کہ جب شیخ زکریا العالم ڈولے

میں سوار ہو کر حضرت سلطان المشائخ کی ملاقات کے لیے آئے اور مصنف کے والد

ڈولے میں شیخ کے لیے کھانا رکھنے لگے تو ڈولے میں ہر طرف کاغذ ہی کاغذ پڑے ہوئے

تھے۔ مصنف کے والد نے انہیں ایک طرف کر کے کھانا رکھنے کے لیے جگہ نکالنی چاہی تو

شیخ رکن العالم نے حضرت شیخ سلطان المشائخ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ”آپ کو معلوم ہے یہ کاغذات کیسے ہیں؟“

پھر خود ہی کہنے لگے: ”یہ حاجت مندوں کی عرضیاں ہیں جو وہ مجھے اس لیے دیتے ہیں تاکہ میں بادشاہ تک پہنچاؤں لیکن انہیں کیا معلوم کہ میں آج کس بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں۔“ (سیر الاولیاء مترجم ص ۱۲۳)

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ آپ کا قاعدہ تھا کہ آپ ان سب عرضیوں کے ساتھ جو ضرورت مند آپ کے تختِ رواں پر ڈال دیتے، بادشاہ کے پاس پہنچتے اور ایک خادم کو ہدایت کرتے کہ یہ عرضیاں بادشاہ کے سامنے رکھے۔ چنانچہ بادشاہ یہ سب عرضیاں آپ کی موجودگی میں پڑھواتا۔ ہر عرضی پر حکم لکھواتا اور جب تک لوگوں کی مطلب براری نہ ہو جاتی آپ وہاں سے نہ ہلتے۔ (آب کوثر ص ۲۶۶-۲۶۵)

☆..... نقل ہے کہ سلطان علاؤ الدین کے بیٹے سلطان قطب الدین کے زمانے میں بھی (حضرت رکن الدین ملتانی علیہ الرحمۃ) دو مرتبہ دہلی تشریف لائے۔ اکثر ان دونوں بزرگوں میں رابطہ خلوص و محبت قائم رہتا۔ حضرت شیخ رکن الدین ملتانی کی عادت تھی کہ جب سلطان قطب الدین سے ملنے کی خواہش ہوتی اور دربار کو جاتے تو وہ تختِ رواں کہ جس پر بیٹھے تھے اس کو کچھ دیر انتظار میں روکے رکھتے تھے اور ضرورت مند لوگ اپنی اپنی عرضیاں لکھ کر ان کے تختِ رواں پر ڈال دیتے تھے اور اپنی اپنی حاجتیں بیان کرتے۔ وہ تختِ رواں پر سوار ہو کر شاہی محل کو روانہ ہوتے۔ تیسری دہلیز پر سلطان استقبال کے لیے آتا اور اندر سے جاتا دوزانو ہو کر باادب حضرت کے سامنے بیٹھ جاتا اور حضرت کے آنے کو بہت بڑی سعادت سمجھتا۔ حضرت سلطان المشائخ اپنے خادم کو حکم دیتے کہ وہ لوگوں کی تمام عرضیاں لائے اور سلطان کے سامنے رکھ دے۔ سلطان تمام عرضیوں کو پڑھتا اور ہر عرضی کا مناسب جواب اس کی پشت پر لکھتا اور مہر لگا دیتا۔ حضرت اس وقت تک وہاں سے واپس نہ ہوتے جب تک کہ مخلوق کے تمام معاملات طے نہ ہو

جاتے۔ (سیر العارفین (مترجم) ص ۲۰۲)

سید کی غیرت

☆..... حضرت شیخ المشائخ سماء الدین سے منقول ہے کہ خان جہاں قلنگی سلطان فیروز شاہ کا وزیر تھا۔ وہ حضرت (مخدوم جہانیاں) کا بالکل معتقد نہ تھا بلکہ ان کو برا بھلا کہتا تھا اگرچہ سلطان ان کے کترین معتقدین میں سے تھا۔ ایک مرتبہ خان جہاں مذکور نے ایک محرر کے لڑکے کو جیل بھیج دیا اور وہ اس پر سختی کرتا تھا جب اس محرر نے اپنے لڑکے کی آزادی کی کوئی صورت نہ دیکھی تو حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں آیا اور حضرت کو اپنے لڑکے کی سفارش کے لیے خان جہاں کے دروازے پر لے گیا۔ یہ خبر خان مذکور تک پہنچی اس نے اندر سے اپنے ملازم کے ہاتھ کہلا بھیجا: ”سید سے کہو کہ میں تمہاری سفارش ہرگز نہ مانوں گا اور تمہارا منہ بھی نہیں دیکھوں گا۔ دوبارہ میرے یہاں سفارش کے لیے مت آنا۔“

کہا جاتا ہے آپ تقریباً انیس مرتبہ خان جہاں کے دروازے پر سفارش کے لیے گئے وہ ہر مرتبہ یہی جواب دیتا یہاں تک کہ جب بیسویں مرتبہ پھر سفارش کے لیے گئے تو اس نے اندر سے کہلا بھیجا:

”سید تم کو غیرت نہیں آتی کہ میں نے اتنی مرتبہ تم کو جواب دے دیا ہے لیکن پھر تم میرے پاس چلے آتے ہو؟“

حضرت سید نے کہا: ”اے عزیز! میں جتنی مرتبہ آتا ہوں مجھے ثواب ملتا ہے مگر مظلوم کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ چاہتا ہوں کہ اس مظلوم کو تمہارے ہاتھوں رہائی دلو اور تم کو ثواب پہنچاؤں۔“

خان جہاں مذکور نے جب یہ بات سنی تو اپنا سر ننگا کیا، گلے میں ایک رسی باندھی اور حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور مرید ہو گیا اور اس مظلوم کو خلعت اور گھوڑا دیا اور رہا کر دیا اس نے کافی نذرانہ حضرت سید کو پیش کیا۔ حضرت نے وہ تمام نذرانہ مظلوم کو دے دیا اور

اپنے گھر چلے آئے۔ (سیر العارفین مترجم، ص ۲۲۷)

☆..... فیروز شاہ ہر دوسرے تیسرے روز حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی قیام گاہ پر ان سے ملاقات کے لیے حاضر ہوتا اور یہ دونوں بزرگ ایک جگہ بیٹھ کر محبت آمیز گفتگو فرماتے۔ اچ اور دہلی کے باشندے اپنی اپنی حاجت اور عرض سید جلال الدین بخاری کی خدمت میں پیش کرتے اور حضرت سید جلال الدین بخاری اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان کی حاجت کو قلم بند کر لیں۔

جب بادشاہ ملاقات کے لیے آتا تو وہ حاجت مندوں کے کاغذات کو اس کی خدمت میں پیش کرتے۔ سلطان فیروز ان کاغذات کو غور سے پڑھ کر ہر حاجت مند کی اس کے معروضے کے مطابق حاجت روائی کرتا۔ (تذکرہ صوفیائے پنجاب، بحوالہ تاریخ فیروز شاہی، ص ۲۰۱)

وہ لوگ زیادہ مستحق ہیں

بروایت مولوی منور علی حب مسموع ہوا کہ ایک شخص مخلصین میں سے انتقال کرنے لگے ان کے پاس کچھ مال تھا جس میں ان کو حق وصیت حاصل تھا۔ انہوں نے حضرت صاحب کے معتمد خاص مولوی منور علی صاحب مرحوم در بھنگوی کو اپنا وصی بنایا کہ میرا مال مستحقین کو تقسیم کر دیں۔ انہوں نے ایک فہرست مستحقین کی مرتب کی جس میں متوکلین کے نام لکھے اور مشورہ کی عرض سے حضرت صاحب کی خدمت میں اس کو پیش کیا۔ آپ نے بعض آدمیوں کے نام لیے جو اہل حاجت تھے مگر متوکل نہ تھے اور ادھر ادھر سے پھر پھرا کر اپنا کام نکال لیتے تھے اور دریافت فرمایا کہ ان لوگوں کے نام آپ نے کیوں نہیں لکھے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ لوگ تو دنیا داروں سے مل کر اپنا کام چلا لیتے ہیں۔ میں نے ایسے لوگوں کے نام لکھے ہیں جو کسی سے تعلق نہیں رکھتے۔ آپ نے تبسم فرمایا اور بعنوان لطیفہ ارشاد فرمایا:

”واہ صاحب! خوب سمجھے۔ میاں چیز دیا کرتے ہیں ایسے شخص کو جو اس کی قدر

کرے اور اس کو ضرورت ہو یہ متوکلیں جن کی آنکھ میں اس کی کچھ قدر نہیں اور نیز اللہ تعالیٰ ان کا کفیل ہے ان کو تم دیتے ہو اور جن بے چاروں کے لیے کفالت خاصہ نہیں اور وہ اس کے قدر دان بھی ہیں ان کو محروم کرتے ہو اس حیثیت خاص سے وہ لوگ زیادہ مستحق ہیں۔“

(کتاب کلمات امدادیہ ص ۱۳ کمال نمبر ۱۴ از مولوی اشرف علی تھانوی مکتبہ الفرقان گوالمنڈی لاہور)

مہر علی ہے حب نبی

مولانا فیض احمد فیض مہر نیر (سوانح حیات پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف) میں پیر مہر علی شاہ کی چشم دید اور آزمودہ خیر خواہی کے متعلق لکھتے ہیں:

”حضرت کی عادت مبارک تھی کہ اپنے متعلقین سے نہایت وفاداری کا معاملہ فرماتے تھے۔ ہمیشہ انہیں نصیح اور خیر خواہی سے نوازتے۔ ان کے حالات دریافت فرماتے ان پر اس قدر نوازش فرماتے تھے کہ لوگ آپ کو محض پیر نہیں بلکہ اپنا ملجا و ماویٰ اور سب سے زیادہ خیر خواہ سمجھتے تھے۔ ہر غم کی کشادگی ہر درد کی دوا ہر تکلیف کا دوا حضرت کی ذات تھی۔“

ایک دفعہ مجھے عرق النساء کی تکلیف ہوئی یہاں تک کہ چار پائی سے اٹھنا دشوار ہو گیا۔ درد کی شدت کے باعث غشی طاری ہو جاتی تھی، کروٹ بدلنے کی ہمت بھی نہ تھی۔ انہی دنوں حضرت کو پاک پن شریف لے جاتے ہوئے ٹھٹھہ محبوب میں قیام فرمانا تھا جہاں پر حاضری میری عادت مستمرہ تھی مگر تکلیف کی وجہ سے حاضری محال تھی۔ طلبہ کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں وہاں حاضر ہوئی تو حضرت نے استفسار فرمایا:

”تمہارا مولوی کہاں ہے؟“

انہوں نے میری حالت بیان کیا۔ آپ نے اسی وقت میاں شیخ احمد مرحوم کو فرمایا:

”ایسے سوت کی سات تاندیں (تاریں) لاؤ جس کے کاٹنے والی عورت کا باپ

اور خسر دونوں زندہ ہوں۔“

وہ منگوا کر ان پر دم کر کے اور چند گانھیں لگا کر طلبہ کو دیں اور فرمایا:
 ”انہیں مولوی صاحب کے گلے میں باندھا جائے۔“

اتفاقاً مجھے اس شام نیند آگئی اور دوبارہ وہی حالت دیکھی اس کے بعد میں نے محسوس کیا کہ درد جاتا رہا اور جسم میں ایک گنا طاقت بھی آگئی ہے۔ فوراً حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کو تیار ہو گیا اور دوسرے روز صبح کے وقت سناواں ریلوے سٹیشن پر حضرت کی قدم بوسی کے لیے کھڑا تھا۔ حضرت تشریف لائے تو دُور ہی سے فرمایا: ”سنا ہے تم بیمار ہو گئے ہو؟“

میں نے عرض کیا: ”آپ نے بے توجہی جو فرمائی تھی، بیمار کیوں نہ ہوتا۔“
 فرمایا: ”کیا توجہ نہیں کی؟“
 میں نے عرض کیا تو پھر کیا میں حاضر نہیں ہو گیا؟“

(مہر نیر از مولانا فیض احمد فیض، ص ۳۱۳، طبع لاہور)

ایمان افروز جواب

حضرت سیدنا شقیق بن ابراہیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
 ”ایک مرتبہ رات کے پچھلے پہر مکہ مکرمہ زاوہا اللہ شرفاً و تکریماً میں مولد رسول
 (حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی جگہ) کے قریب میری ملاقات حضرت سیدنا ابراہیم
 ادبکم رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ وہ ایک جگہ بیٹھے رورہے تھے میں ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا
 اور کہا:

”اے ابواسحاق رضی اللہ عنہ! خیریت تو ہے آپ کیوں رورہے ہیں؟“
 میں نے دو تین مرتبہ پوچھا تو فرمایا: ”اے شقیق رضی اللہ عنہ! اگر میں بتا دوں تو میرے
 معاملے کو چھپائے رکھو گے یا لوگوں سے بیان کر دو گے؟“

میں نے کہا: ”آپ بے فکر ہو کر بتائیں۔“
 فرمایا: ”میرا نفس تیس سال سے مسلسل سکباج (گوشت اور سرکہ ملا کر پکایا ہوا سالن) کھانے کی خواہش کر رہا تھا میں نے اسے تیس سال تک روکے رکھا آج رات بیٹھے بیٹھے مجھے اونگھ آئی تو دیکھا کہ ایک نوجوان ہاتھوں میں سبز پیالہ لیے کھڑا ہے جس سے گرم گرم سکباج کی خوشبو آرہی ہے نوجوان نے وہ پیالہ میرے قریب کرتے ہوئے کہا:

”اے ابراہیم رضی اللہ عنہ! یہ سکباج کھا لو۔“

میں نے کہا: ”جس چیز کو میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ترک کر چکا ہوں اسے ہرگز نہیں کھاؤں گا۔“

وہ کہنے لگا: ”اگر یہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے نہیں ملا تو بے شک نہ کھاؤ۔ ارے! یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے پھر تم کیوں نہیں کھا رہے؟“

اب میرے پاس رونے کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔ میں زار و قطار رونے لگا تو اس نے کہا: ”اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے یہ کھا لو۔“

میں نے کہا: ”ہمیں یہ تاکید کی گئی ہے کہ جب تک معلوم نہ ہو کہ کھانا کن ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے تب تک اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ۔“

کہا: ”اے ابراہیم رضی اللہ عنہ! مجھے یہ کھانا دے کر کہا گیا:

”اے خضر رضی اللہ عنہ! یہ کھانا ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ کے پاس لے جا کر اسے کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جان پر رحم کیا کیونکہ انہوں نے عرصہ دراز تک اپنے نفس کو سکباج نہ کھلایا اور صبر سے کام لیا۔“

اے ابراہیم رضی اللہ عنہ میں نے ملائکہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ”ایسا کون ہوگا کہ رزق دیا جائے اور وہ قبول نہ کرے اور ایسا کون ہے جو طلب کرے اور اسے عطا نہ کیا جائے؟“

میں نے نوجوان سے کہا: ”اگر واقعی یہ کھانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اور

معاملہ اسی طرح ہے جس طرح آپ نے بتایا تو پھر میں اللہ تعالیٰ کی نعمت سے انکار نہیں کر سکتا۔“

پھر میں کھانے کی طرف متوجہ ہوا تو اچانک ایک اور نوجوان نمودار ہوا اس نے پہلے نوجوان (حضرت سیدنا خضر علیہ السلام) سے کہا: ”اے خضر علیہ السلام! آپ اپنے مبارک ہاتھوں سے انہیں یہ کھانا کھلائیں۔“

چنانچہ حضرت سیدنا خضر علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے مجھے کھلانا شروع کیا یہاں تک کہ میں خوب سیر ہو گیا پھر میری آنکھ کھل گئی لیکن اس کھانے کی مٹھاں اب تک میں اپنے منہ میں محسوس کر رہا ہوں۔“

حضرت شقیق بن ابراہیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”آپ رضی اللہ عنہ کا یہ ایمان افروز خواب سن کر میں نے ان کی ہتھیلی چوم لی اور بارگاہِ خداوندی میں اس ولی کامل کو وسیلہ بنا لیتے ہوئے اس طرح عرض گزار ہوا:

”اے بھوکوں کو ان کی پسندیدہ اشیاء کھلانے والے! اے محبین کو اپنی محبت کے جام بھر بھر کر پلانے والے! کیا تیرے ہاں شقیق کا کوئی مرتبہ ہے؟ اے میرے پاک پروردگار! تجھے اپنے اسی ولی اور اس کے ہاتھ کا واسطہ اور تجھے تیرے اس کرم کا واسطہ جو تو نے اپنے اسی ولی پر فرمایا اپنے اس بندے پر بھی ایک نگاہِ کرم فرما دے جو تیرے فضل اور احسان کا محتاج ہے اگرچہ وہ اس قابل نہیں کہ اس کو یہ نعمتیں عطا کی جائیں تو مجھض اپنی رحمت سے فضل فرما دے۔“

جب میں دعا سے فارغ ہوا تو حضرت سیدنا ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ اٹھ کر مسجد حرام کی طرف چل دیئے اور میں بھی ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

(عیون الحکایات)

انفاق فی سبیل اللہ کا اجر

بیان کرتے ہیں کہ ایک فقیر خود اور اس کی بیوی اور اس کی اولاد تین دن تک بھوکے رہے اور انہوں نے کچھ نہ کھایا اس کی بی بی نے اس سے کہا: ”اے شخص! کیا تم ان لڑکوں کو نہیں دیکھتے ہو کہ ان کے چہرے زرد ہو گئے ہیں اور ان کے کلیجے پگھل گئے ہیں ان کو ہمارے مانند صبر اور قوت نہیں ہے۔“

شوہر نے کہا: ”بخدا میں نے کئی بار چکر لگایا کہ کوئی مجھے دو دانگ کی مزدوری پر کام میں لگائے تاکہ میں ان دو دانگوں سے بچوں کی خوراک حاصل کروں لیکن میں نے کسی شخص کو بھی نہ پایا۔ بے شک ان بچوں کی وجہ سے میرے جگر میں آگ لگی ہے۔“

بی بی نے اپنے شوہر سے کہا: ”یہ میرا مقصد (دہان بند) لو اور جس قیمت سے ہو اس کو بیچو اور اس کے ثمن سے بچوں کے واسطے کھانے کی چیز خریدو کہ وہ اس کو کھائیں۔ چنانچہ اس نے وہ مقصد لیا اور دو درہم اس کی پوری قیمت پر اسے فروخت کیا پھر وہ غلہ کے بازار کی جانب چلا تا کہ غلہ خریدے اس نے راستہ میں ایک شخص کو یہ کہتے سنا: ”اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کے واسطے یہ دو درہم دے دو۔ چنانچہ انہوں نے دے دیے۔“

اس کے بعد بغیر کھانے اور غلہ لینے کے بی بی کے پاس جانے سے اس کو شرم آئی کیونکہ اس کو یہ ڈر ہوا کہ وہ اس کو بڑی باتوں سے ایذا دے گی اس کے بعد وہ اپنے اس کام میں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے کیا تھا، فکر کرتا ہوا نماز کے واسطے مسجد کی طرف چلا گیا۔ چنانچہ جب رات آگئی تو وہ اپنی بی بی بچوں کے پاس آیا اس کے وعدہ کا وقت گزر چکا تھا اس کی بی بی نے اس سے کہا: ”تم نے میرے دہان بند کو کیا کیا؟ بے شک تم نے ہمارے بچوں کو بھوک کی حالت میں چھوڑ دیا۔“

اس کے بعد شوہر نے اس کو ان حالات کی اطلاع کی جو اس کو پیش آئے تھے یعنی اپنے کاموں اور مسائل اور رویش کے سوال کو قبول کرنے کی کیفیت سے اس کو خبر دی۔ (یہ سن کر) عورت نے اس سے کہا: ”اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کیا ہے تو وہ بے نیاز صاحب نعمت اور وفادار ہے۔ کیا اچھا وہ کام ہے جو تم نے بادشاہ برتر کے ساتھ کیا ہے۔“ پھر اس نے شوہر سے کہا: ”یہ پورا بقیہ لو اس کو بیچو اور ہمارے لیے اس سے غلہ خریدو۔“

چنانچہ اس نے لے کر چکر لگایا لیکن کسی نے نہ خریدا اس کو انتہا درجے کا رنج ہوا اور اس نے وہ بقیہ لے کر اپنی بی بی کے پاس واپس آنا چاہا۔ ناگاہ راہ میں ایک شکاری کو دیکھا کہ اس کے ساتھ ایک بڑی مچھلی ہے اور وہ لوگوں کو اس مچھلی کی خریداری کے واسطے بلاتا ہے اس مرد فقیر نے شکاری سے کہا: ”اے بھائی! تم اس بقیہ کو لو جو مجھ پر ارزاں اور بے قیمت ہو رہا ہے اور مجھے یہ مچھلی دو جو تم پر ارزاں ہو رہی ہے اور کوئی نہیں پوچھتا ہے۔“ چنانچہ جو کچھ اس نے کہا شکاری نے اس کو قبول کر لیا فوراً اس کو مچھلی دے دی۔ وہ شخص وہ مچھلی اپنی بی بی کے پاس لایا۔ چنانچہ اس نے مچھلی دیکھی تو خوش ہو گئی اور مچھلی کا پیٹ چاک کرنے کے لیے جلدی کی جب اس نے پیٹ چاک کیا تو اس میں پتھر کی شکل کی ایک چیز دیکھی جس کو وہ پہچانتی نہ تھی اس کے بعد اس پتھر کو اس کے شوہر نے لیا اور تاجروں کے پاس گیا جب انہوں نے اس کو دیکھا تو کہا: ”یہ پتھروں کی قسم سے نہیں بلکہ یہ ایسا ڈر یکتا ہے کہ جس کی قیمت اور ثمن نہیں ہے یعنی یہ موتی بے بہا ہے۔“

تاجروں نے اس کی قیمت میں مبالغہ اور زیادتی کی۔ چنانچہ اس کی قیمت چودہ ہزار درہم تک پہنچی اس کے بعد اس نے اس کو اس مقدار پر فروخت کر دیا اور اس کو لے کر اپنی بی بی کے پاس گھر میں آیا۔ وہ سب اس سے بے حد خوش ہوئے اور ان سے رنج اور غم جاتا رہا اسی حال میں ناگاہ دروازہ پر ایک سائل آمو جو وہ ہوا۔ وہ کہتا تھا:

”اے اللہ کے بندو! جو کچھ اللہ نے تم کو عطا فرمایا ہے اس میں سے مجھے بھی دو۔“

یہ سن کر وہ مرد فقیر اس کی طرف نکلا اور اس سے کہا:

”ہم سب کے واسطے آدھا مال ہے اور تیرے لیے تنہا پورا آدھا ہے اگر تم کو یہ تقسیم

راضی کرے اور تم خوش ہو تو فہما اور نہ ہم تم کو زیادہ کر دیں گے۔“

اس کے بعد اس سائل نے کہا: ”میں راضی ہوں۔“

اور وہ چلا گیا تا کہ کوئی پلہ دار لائے اور اس پر لا دے پھر وہ واپس نہیں آیا اور یہ شخص

اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا اس کے بعد وہ شخص سویا۔ پس اس نے سائل کو خواب میں

دیکھا اور اس سے اس کے متعلق سوال کیا۔ سائل نے کہا:

”اے شخص! میں سائل نہیں ہوں۔ میں تو وہ فرشتہ ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے

تیرے پاس بھیجا تھا تا کہ وہ اس دولت میں جو تم کو اس نے عطا کی ہے تیرے صبر کو معلوم

کرے اور میں تم کو یہ خوش خبری دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بے شبہ تجھ سے دو درہموں کو

قبول فرمایا اور ان دو درہموں کے بدلے تم کو یہ چودہ ہزار درہم ادا کیے اور دنیا کی نعمت

کے علاوہ تمہارے لیے آخرت میں ایسی نعمت تیار کی ہے کہ نہ تو آنکھ نے اس کو دیکھا اور نہ

کان نے اس کو سنا اور نہ کسی آدمی کے دل پر اس کا گذر ہوا اس لیے کہ تم نے اس کے

ساتھ خلوص نیت سے اس کی بزرگ ذات کی خوش نودی کے واسطے معاملہ کیا اور اللہ تعالیٰ

اس کو محروم نہیں کرتا جو اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے اور بے شبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض ان

کتابوں میں فرمایا ہے جو اس کے انبیاء مرسلین علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں کہ اگر وہ تین

چیزوں کو تین چیزوں پر مسلط نہ کرتا تو دنیا کے کام با انتظام نہ رہتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

مصیبت زدہ کے دل پر صبر کو مقرر فرمایا ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو بتلائے مصیبت بے

صبری سے مرجاتا بدبو مردہ پر مقرر کی گئی ہے اور اگر یہ نہ ہوتی تو ہرگز کوئی مردہ دفن نہ کیا

جاتا اور گھن (کیڑے) گیہوں پر مسلط کیے گئے ہیں اور اگر یہ نہ ہوتا تو بادشاہ سونے

چاندی کی طرح اس کو بھی جمع کرتے۔ پس میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اور میں بادشاہ

صاحب کرم اور صاحب بزرگی ہوں۔“ واللہ اعلم (نوادر قلیوبی)

قصوں میں عبرت ہوتی ہے

ایک دن خلیفہ بغداد ابو جعفر منصور اپنے تخت شاہی پر انتہائی متکبرانہ ادا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور ایک مکھی بار بار اس کی ناک پر بیٹھتی رہی اور وہ بار بار اڑاتا رہا جب تنگ آ گیا تو اس نے جھلا کر ابن سلیمان مفسر سے پوچھا: ”آخر مکھی پیدا کرنے کی خدا کو کیا ضرورت تھی؟“ اس حق گو عالم حقانی نے برجستہ جواب دیا: ”خلاق عالم نے متکبروں کا غرور اور گھمنڈ توڑنے کے لیے مکھی پیدا فرمائی ہے۔“

خلیفہ منصور یہ جواب سن کر خاموش رہ گیا اور ابن سلیمان کا منہ تلکنے لگا۔

(ابن خلکان ج ۲ ص ۱۱۲)

سبحان اللہ! علمائے حق کی عالمانہ جرأت اور مجاہدانہ شجاعت کا کیا کہنا؟ ان کی بے نیازی اور استغناء کی ٹھوکروں سے بڑے بڑے بادشاہوں کے تاج پامال ہو گئے مگر افسوس کہ آج کل کے مولویوں نے مال داروں کی چاپلوسی اور خوشامد میں اپنے علم کے دامن عظمت کو ذلت و رسوائی کے بدترین داغوں سے داغ دار بنا ڈالا اور اپنے تلامذہ اور شاگردوں کو بھی اپنے طرز عمل سے اسی ذلت و خواری کی دلدل میں پھنسا رہے ہیں۔

افسوس صد ہزار افسوس

شکایت ہے مجھے یارب خداوندان مکتب سے

سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

حق گوئی و بے باکی

☆..... خلیفہ بغداد ہارون الرشید نے ایک دن مشہور حافظ حدیث عبداللہ بن

اور لیس کو دربار شاہی میں طلب کیا اور کہا: ”میں آپ کو عہدہ قضا سونپتا ہوں۔“

آپ نے نہایت حقارت کے ساتھ بادشاہ کی اس فرمائش کو ٹھکرا دیا اور اس عہدہ کو

قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ خلیفہ نے انتہائی غیض و غضب میں آ کر یہ

کہا: ”کاش! میں تیری صورت نہ دیکھتا۔“

عبداللہ بن ادریس نے بھی نہایت ہی متانت کے ساتھ یہ جواب دیا: ”کاش! میں بھی تیری صورت نہ دیکھتا۔“ یہ فرمایا اور دربار سے اٹھ کر چلے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۶۱)

مشہور ظالم حجاج بن یوسف ثقفی ایک مرتبہ حج کے لیے آیا اور اتفاق سے عالم مدینہ حضرت سعید بن مسیب تابعی کے برابر نماز کے لیے کھڑا ہوا اور امام سے پہلے رکوع وسجدہ کرنے لگا۔ حضرت سعید بن مسیب نے نماز سے فارغ ہوتے ہی اپنا جوتا اٹھا کر فرمایا: ”اے چور! اے خائن! تو اس طرح نماز پڑھتا ہے؟ میرا جی چاہتا ہے کہ یہی جوتا تیرے منہ پر ماروں۔“

اس کے بعد حجاج دمشق گیا تو حجاز کا گورنر بن کر مدینہ منورہ آیا اور فوراً مسجد نبوی ﷺ میں حضرت سعید بن مسیب کی درس گاہ حدیث میں پہنچا اور کہنے لگا: ”آپ ہی نے حج کے موقع پر جوتا اٹھا کر مجھے نماز کا چور اور خائن کہا تھا؟“

سعید بن مسیب نے نہایت جرأت و استقلال کے ساتھ فرمایا: ”ہاں! میں نے ہی کہا تھا اور بالکل حق کہا تھا۔“

حجاج آپ کا عالمانہ تیور دیکھ کر آپ کی روحانی طاقت سے اس قدر مرعوب ہوا کہ بالکل ہی سہم گیا اور کہنے لگا: ”خداوند کریم آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے مجھے بڑی اچھی تعلیم دی تھی اب میرا یہ حال ہے کہ جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو آپ کا جوتا میری نظروں کے سامنے ہو جاتا ہے اور آپ کے کلمات مجھے یاد آ جاتے ہیں تو میں بہت سنبھال سنبھال کر نماز پڑھتا ہوں۔“ (روح البیان ج ۸ ص ۲۲۱)

امام مالک کا بہت اللہ شریف کے بارے میں فتویٰ

خلیفہ بغداد ہارون الرشید نے ایک مرتبہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے کہا: ”میری تمنا ہے کہ میں حجاج بن یوسف ثقفی کا تعمیر کیا ہوا کعبہ شریف منہدم کر کے

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بنائے کعبہ کے مطابق تعمیر کرا دوں جس کی حضور اقدس ﷺ نے خواہش فرمائی تھی۔“

یہ سن کر حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے نہایت جرأت و جلال کے ساتھ فرمایا:
 ”اے امیر المؤمنین! میں آپ کو قسم دلاتا ہوں کہ خبردار آپ ہرگز کعبہ معظمہ کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنائیں اگر یہ دستور نکل پڑا تو ہر آنے والا بادشاہ کعبہ کو توڑتا اور بناتا رہے گا اس طرح کعبہ معظمہ کی ہیبت و عظمت لوگوں کے دلوں سے جاتی رہے گی۔“
 امام ممدوح کا یہ جواب سن کر ہارون الرشید کا حوصلہ پست ہو گیا اور اس نے تعمیر کعبہ کا خیال چھوڑ دیا اور اس کے بعد سے آج تک کسی بادشاہ کو یہ ہمت و جرأت نہیں ہوئی کہ کعبہ کو منہدم کر کے اس کی تعمیر کرتا۔ (روح البیان ج ۱ ص ۲۳۲)

☆..... شیخ الاسلام علامہ سلفی بڑے بارعب اور جاہ و جلال کے محدث تھے مذہبی اختلافات کے باوجود شاہان مصر کے دربار میں آپ کا بڑا اثر و اقتدار تھا۔ حضرت ممدوح کا یہ طریقہ تھا کہ باوجود یکہ عمر شریف سو برس سے زیادہ تھی مگر انتہائی وقار کے ساتھ حدیث بیان فرماتے تھے اور درمیان درس نہ پانی پیتے نہ تھوکتے نہ پہلو بدلتے نہ کوئی دنیاوی گفتگو کرتے۔ ایک مرتبہ بادشاہ مصر اپنے بھائی کے ساتھ آپ کی درس گاہ میں آ گیا اور درس کے دوران بادشاہ نے اپنے بھائی سے کوئی بات کہہ دی تو آپ کو اس قدر جلال آیا کہ آپ نے تڑپ کر بادشاہ کو جھڑک دیا اور فرمایا: ”ہم اس لیے حدیث نہیں پڑھتے کہ تم دونوں باتیں کرتے رہو۔“

آپ انتہائی مفلسی کی حالت میں اپنے وطن سے اسکندریہ جا کر آباد ہو گئے تھے مگر وہاں کی ایک مال دار خاتون نے آپ سے نکاح کر لیا اس لیے آپ کی مالی حالت قدرے بہتر ہو گئی اور آپ تمام عمر حدیث شریف کے درس اور کتابیں جمع کرنے میں مصروف رہے۔ ۵۷۲ھ میں ایک سو چھ برس کی عمر پا کر دار البقاء کو روانہ ہو گئے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۵)

اہل عرب اور عہد و پیمان کی حفاظت

خلیفہ سفاح ابوالعباس پہلا عباسی خلیفہ تھا اس کا اصل نام عبداللہ تھا۔ ۱۳۲ ہجری میں برسر اقتدار آیا اور ۱۳۶ ہجری میں الانبار میں انتقال کر گیا۔ اس کے عہد حکومت میں عباسی تحریک انقلابی دور سے گزر کر آئینی دور میں داخل ہو گئی اس کے کردار اور کارناموں کے بارے میں مؤرخین خاموش ہیں البتہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے: ”وہ سمجھ دار اور فیاض حکمران تھا۔“

سفاح کے معنی ہی خوزیر کے ہیں یہ شخص بنو امیہ کا جانی دشمن تھا اس نے بنو امیہ کے افراد کا بے دریغ قتل عام کرایا اس لیے سفاح کے نام سے مشہور ہو گیا۔ بہر حال بنو عباس کی خلافت قائم ہوئی تو بنو امیہ کے تمام سرکردہ افراد روپوش ہو گئے۔ انہیں خوف تھا کہ ان سے نہایت براسلوک کیا جائے گا۔ ادھر بنو عباس کے لوگ بھی ان لوگوں کی بوسونگھ رہے تھے اور انہیں جا بجا تلاش کر رہے تھے۔

بنو امیہ کے چھپے ہوئے سرکردہ افراد میں ابراہیم بن سلیمان بن عبدالمالک بن مروان بھی شامل تھا۔ خلیفہ سفاح کے خاص آدمی نے اس کی سفارش کی اور امان طلب کی جو دے دی گئی۔ ابراہیم بن سلیمان خلیفہ کے پاس آیا اپنی غلطیوں کی معافی مانگی۔ خلیفہ نے اسے عزت و اکرام سے نوازا شاہی لباس پہنایا اور اپنے خواص میں جگہ دی۔

ایک دن خلیفہ سفاح ابراہیم سے کہنے لگا: ”تم ایک مدت تک چھپے رہے اگر اس دوران کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہو جو دلچسپ اور سبق آموز ہو تو ہمیں سناؤ۔“

ابراہیم بن سلیمان نے اپنی زندگی کا سب سے نرالہ واقعہ بیان کرنا شروع کیا۔ سنیے اور عربوں کے صبر و ثبات، حوصلوں اور عہد و پیمان کے احترام کی داد دیتے۔

اب ایسے لوگ زمانے میں روز روز کہاں؟

ابراہیم بن سلیمان نے بتایا: ”میری تلاش اور گرفتاری کا شاہی پروانہ جاری ہو چکا تھا میں ادھر ادھر بھاگتا پھر رہا تھا، کہیں سکون نہ تھا۔ بھاگتے بھاگتے میں حیرہ پہنچا اور صحرا میں ایک بدو کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔ موت میرے تعاقب میں تھی اور میں اس سے بھاگتا پھر رہا تھا۔ میرے سر پر ہر وقت خوف منڈلاتا رہتا تھا کہ نجانے مجھے کب دھر لیا جائے۔ ایک دن میں چھت پر بیٹھا تھا، صحرا پر نگاہیں گاڑ رکھی تھیں کہ دُور سے کان لے جھنڈے نظر آئے۔ کوفہ سے نکلنے والا یہ قافلہ حیرہ کی جانب آرہا تھا۔ مجھے خوف محسوس ہوا۔ میری چھٹی حس کہنے لگی کہ یہ لوگ مجھے گرفتار کرنے آرہے ہیں۔ ممکن ہے کسی نے مخبری کر دی ہو۔ قافلہ ابھی دُور تھا، میں نے موقع غنیمت جانا اور وہاں سے نکل بھاگا۔ کوفہ آ گیا۔ سامنے کوئی منزل نہ تھی، نہ میں کسی گھرانے کو جانتا تھا جو مجھے پناہ دیتا یا مدد کرتا میں ادھر ادھر ٹانک ٹانیاں مارتا پھر رہا تھا۔ لوگوں کی نگاہیں ایسی چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں جیسے وہ میری تلاش میں ہیں۔ اچانک مجھے ایک بڑا گھر نظر آیا اس کا دروازہ بہت بڑا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ صاحب خانہ کوئی امیر کبیر اور بار سوخ آدمی ہے۔ میں غیر ارادی طور پر اس گھر میں گھس گیا اس کا صحن بہت کشادہ تھا۔ وہاں بہت اُبلے کپڑے پہنے ہوئے ایک باوقار شخص نظر آیا جو نہایت معزز اور محترم نظر آرہا تھا اس نے مجھے دیکھا تو فوراً پوچھا: ”تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟“

میں نے کہا: رَجُلٌ خَائِفٌ عَلَى دَمِهِ، جَاءَ يَسْتَجِيرُ بِكَ۔

”میں ایسا آدمی ہوں جو اپنی موت سے ڈرتا پھر رہا ہوں اور تم سے پناہ کا

طلب گار ہوں۔“

اس نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ اندرون خانہ اس کی بیویوں کے حجروں کے ساتھ ایک کمرہ تھا اس نے مجھے وہاں ٹھہرا دیا، میں ٹھہر گیا۔ صاحب خانہ کا حسن سلوک یہ تھا کہ روزانہ میرے لیے انواع و اقسام کے کھانے چنے جاتے، میں نہایت سکون سے رہ رہا

تھا اس نے مجھ سے کبھی کوئی گفتگو کی نہ میرے بارے میں پوچھا کہ میں کون ہوں، میرا جرم کیا ہے اور وہ کون لوگ ہیں جو میری تلاش میں ہیں۔ ہاں! ایک بات میں اچھی طرح نوٹ کرتا تھا کہ وہ روزانہ صبح سویرے کہیں نکل جاتا تھا اور ظہر سے پہلے واپس آتا تھا۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھ ہی لیا: ”میں تمہیں روزانہ جانتے دیکھتا ہوں، تم کہاں اور کس کام کے لیے جاتے ہو؟“

اس نے بتایا: ”میرے باپ کو ابراہیم بن سلیمان بن عبدالمالک بن مروان نے قتل کر دیا تھا، مجھے باوثوق ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ وہ حیرہ ہی میں چھپا ہوا ہے۔ میں روزانہ اس کا کھوج لگانے جاتا ہوں تاکہ اس سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لے سکوں۔“

امیر المومنین! جو نبی میں نے یہ بات سنی، میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجھے اپنی موت یقینی نظر آنے لگی۔ میں نے اس سے اس کا نام اور اس کے والد کا نام پوچھا اس کے جواب سے فوراً معلوم ہو گیا کہ وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا: ”تم بہت دنوں سے میری میزبانی کر رہے ہو اب وقت آ گیا ہے کہ میں بھی تمہارا حق ادا کروں۔ تم نے مجھ سے بہت اچھا سلوک کیا ہے یقیناً اس کا بدلہ میری طرف سے بھی ملنا چاہیے۔ میں بتاتا ہوں کہ تم جس شخص کو تلاش کر رہے ہو وہ کہاں ہے؟“

اس نے بے تابی سے کہا: ”ہاں! ہاں! جلدی بتاؤ وہ شخص کہاں چھپا ہوا ہے؟“ میں نے کہا: ”میرے معزز مہربان! میں ہی وہ شخص ہوں جسے تم ڈھونڈ رہے ہو۔ تمہارے باپ کا قاتل تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ میں تمہیں یہ بتانے کے لیے موجود ہوں کہ میرا نام ابراہیم بن سلیمان بن عبدالمالک بن مروان ہے، تم بڑی خوشی سے اپنا بدلہ لے لو۔“

اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ کہنے لگا: ”یوں لگتا ہے کہ مسلسل چھپے رہنے اور اپنے گھر والوں کی جدائی کی وجہ سے تم موت کو پسند کرنے لگے ہو۔“ میں نے کہا: ”نہیں! ایسی کوئی بات نہیں، میں تم سے یہ حقیقت چھپانا نہیں چاہتا کہ

تمہارے باپ کا مطلوبہ قاتل میں ہی ہوں۔ میں نے تمہارے والد کو فلاں مقام پر فلاں دن اور فلاں تاریخ کو قتل کر دیا تھا۔“

جب اس نے تفصیل سے سارا واقعہ سنا اور میری بیان کی ہوئی جزئیات پر غور کیا تو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس کی آنکھوں میں غیظ و غضب کے شرارے کوندنے لگے۔ وہ دیر تک خلا میں گھورتا رہا اور کچھ سوچتا رہا پھر یوں لگا جیسے اس نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا ہو۔ وہ دفعتاً میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا: ”تم ایک دن میرے قادر مطلق پروردگار اور منصف حاکم کے روبرو میرے والد سے ضرور ملو گے اور وہ تم سے تمہارے ظلم، تمہاری سفاکی اور خونِ ناحق کا بدلہ لے لے گا اب رہا میرا معاملہ تو امر واقعہ یہ ہے کہ میں نے تمہیں پناہ دی تھی۔ تمہیں بچانے کا عہد کیا تھا لہذا میں اپنا وعدہ توڑنے کے لیے تیار نہیں کیونکہ میں بد عہدی کرنا اپنی توہین سمجھتا ہوں لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ تم فوراً میری نظروں سے دُور چلے جاؤ۔ ممکن ہے میں اپنے نفس پر قابو نہ پاسکوں اور اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے لوں۔“

پھر اس نے ایک ہزار دینار میری طرف بڑھا دیئے اور کہا: ”یہ رقم بطور نذر اور اہ ہے یہ لے لو اور چلتے بنو۔“ مجھے بڑی شرم آئی میں نے دینار لینے سے انکار کر دیا اور وہاں سے چل دیا۔

امیر المومنین! یہ میری زندگی کا سب سے انوکھا واقعہ ہے جو میری توجیح سے ماورا نہایت عجیب و غریب، منفرد اور نرالا ہے۔ امیر المومنین! میں نے اپنی ساری زندگی میں آپ کے علاوہ اگر کسی شخص کو نہایت سخی اور اپنے وعدے کی پاس داری کرنے والا پایا ہے تو یہ وہی شخص تھا جس نے مجھے میری وحشت کے دنوں میں پناہ دی تھی اور یہ جان لینے کے باوجود کہ میں اس کے باپ کا قاتل ہوں مجھے معاف کر دیا تھا۔

(تاریخ مدینہ دمشق لابن عساکر ۶/۴۱۶)

سیدنا غوثِ اعظم کی غریب پروری

حضرت شیخ عبدالقادر الحسینی الحسینی البجیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حج کے ارادہ سے نکلے جب بغداد کے قریب جلد نامی موضع میں پہنچے تو آپ نے حکم دیا کہ یہاں کوئی ایسا گھر تلاش کرو جو سب سے زیادہ ٹوٹا پھوٹا اور اجڑا ہوا ہو۔ ہم اس میں قیام کریں گے اگرچہ وہاں کے امیروں اور رئیسوں نے بڑے اچھے اچھے مکانات آپ کے سامنے قیام کرنے کے لیے پیش کیے لیکن آپ نے انکار فرما دیا۔ تلاش بسیار کے بعد ایسا ایک مکان مل گیا جس میں بڑھیا بڈھا اور ایک بچی تھی۔ آپ نے بڑے میاں سے اجازت لے کر رات اس مکان میں گزاری اور وہ تمام نذرانے اور ہدایا جو نقد جنس اور حیوانات کی صورت میں آپ کو پیش کیے گئے تھے آپ نے یہ کہہ کر کہ میں اپنے حق سے دست بردار ہوتا ہوں وہ تمام کے تمام بڑے میاں کو دے دیئے۔ حاضرین نے بھی آپ کی موافقت میں تمام مال و اسباب ان بڑے میاں کو دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بوڑھے کو آپ کے مبارک قدموں کی برکت سے ایسی دولت عطا فرمائی کہ ان کی اطراف میں کسی کونہ ملی۔

(ترجمہ اخبار الاخیار ص ۴۷-۴۶)

☆..... حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز ایک فقیر کو شکستہ خاطر ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا دیکھا دریافت فرمایا: ”کس خیال میں ہو اور کیا حال ہے؟“
عرض کیا: ”میں دریا کے کنارے گیا تھا ملاح کو دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں تھا کہ کشتی میں بیٹھ کر پار اترتا۔“

ابھی اس فقیر کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ ایک شخص نے تیس اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی آپ کی نذر کی۔ آپ نے وہ تھیلی فقیر کو دے دی اور فرمایا: ”جاؤ ملاح کو

دے دو۔“

(اخبار الاخیار (ترجمہ) ص ۳۷ شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

☆..... ابو الحسن علی ندوی نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے اوصاف و اخلاق کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ”آنجناب کو غرباء، مساکین اور حاجت مند لوگوں پر خرچ کرنے اور انہیں کھانا کھلانے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ علامہ نجار نے اپنی تاریخ میں جمائی کے حوالے سے حضرت شیخ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”میں نے تمام اعمال کی تفتیش اور چھان بین کی تو میں نے ان میں کھانا کھلانے اور حسن اخلاق سے بڑھ کر کوئی افضل اور اشرف عمل نہ پایا۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا بھی میرے ہاتھ میں ہو تو میں وہ بھوکوں کو کھلا دوں۔“

آپ نے فرمایا: ”میری ہتھیلیاں سوراخ دار ہیں جن میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی اگر میرے پاس ہزار دینار آجائیں تو شام تک ایک دینار بھی نہیں بچے گا۔“

صاحب قلند الجواہر نے بیان کیا ہے کہ ہر رات آپ دسترخوان بچھانے کا حکم فرماتے جس پر ہزاروں مسلمان، مسافر، امیر غریب سب مل کر کھانا کھاتے۔ آپ خود ضعیف، کمزور، شکستہ دل اور ان بے چاروں کے ساتھ بیٹھتے جنہیں معاشرے میں کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا۔ آپ کی اس شفقت اور رحم سے انہیں اپنے افلاس اور غربت کا غم بھول جاتا۔ ہر آدمی یہی محسوس کرتا کہ آپ کو اس سے سب سے زیادہ پیار ہے جو ساقی غائب ہوتا اس کی خیریت دریافت فرماتے۔ ہر ایک سے محبت کرتے، ان کی خطاؤں سے درگزر اور چشم پوشی فرماتے۔

(رجال الفکر والدعوة فی الاسلام، ص ۲۲۵-۲۲۶، طبع دمشق ۱۹۶۵ء)

مکہ معظمہ کی شان

حضرت سیدنا عبدالعزیز اھوازی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت سیدنا اہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: ”بے شک کسی ولی کا لوگوں سے میل جول رکھنا اس کے لیے ذلت کا باعث ہے اور لوگوں سے علیحدگی باعثِ عزت۔“

اولیائے کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین میں سے بہت کم ایسے لوگ ہوں گے جنہوں نے گوشہ نشینی اختیار نہ کی ہو۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقبول ولی تھے ان پر اللہ تعالیٰ کی بہت عطا میں تھیں وہ لوگوں سے دُور رہنا پسند کرتے اسی لیے کبھی کسی شہر میں تو کبھی کسی شہر ہوتے۔ بالآخر وہ مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً و تکریماً میں آئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ میں ان کی عادت سے واقف تھا کہ یہ کسی شہر میں زیادہ دن نہیں ٹھہرتے لیکن مکہ شریف میں قیام کیے ہوئے انہیں کافی دن گزر چکے تھے میں نے پوچھا: ”آپ تو کسی شہر میں اتنا زیادہ رکتے ہی نہیں پھر مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً میں اتنے دن کیوں رُک گئے؟“

فرمایا: ”بھلا میں اس عظمتوں والے شہر میں کیوں نہ رُکوں؟ میں نے کوئی ایسا شہر نہیں دیکھا جس میں مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً سے زیادہ رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہو لہذا مجھے یہ بات محبوب ہے کہ میں ایسے بابرکت شہر میں ٹھہروں جہاں دن رات ملائکہ کی آمدورفت رہتی ہے۔ بے شک یہاں بہت سے عجائبات ہیں۔ ملائکہ مختلف صورتوں میں خانہ کعبہ کا طواف کرتے رہتے ہیں اگر میں وہ تمام باتیں بتا دوں جو میں نے دیکھی ہیں تو لوگ ان پر یقین نہ کریں۔“

میں نے کہا: ”خدارا! ان باتوں میں سے مجھے بھی کچھ بتائیے۔“

فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا ہر وہ بندہ جو ولایتِ کاملہ کے درجے پر فائز ہو وہ ہر جمعرات کو

اس پابریکٹ شہر میں آتا ہے اور کبھی بھی ناغہ نہیں کرتا۔ میں اسی لیے یہاں رُکا ہوا ہوں تاکہ ان اولیائے کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی ولی کامل کی زیارت سے فیض یاب ہو سکوں۔ میں نے مالک بن قاسم جبلی رضی اللہ عنہ نامی ایک شخص کو دیکھا ان کے ہاتھ میں کچھ کھجوریں تھیں میں نے ان سے کہا: ”کیا آپ کھانا کھا کر آرہے ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”استغفر اللہ میں نے تو کئی ہفتوں سے کچھ بھی نہیں کھایا۔ ہاں! میں نے اپنی والدہ کو کھجوریں کھلائی ہیں اور اب فجر کی نماز پڑھنے کے لیے حرم شریف آیا ہوں۔“

حضرت سیدنا عبداللہ بن صالح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”حرم شریف اور اس کے گھر کا درمیانی فاصلہ سات سو فرسخ (یعنی (اکیس سو میل) تھا وہ وہاں سے فجر کی نماز پڑھنے مسجد حرام میں آیا تھا، کیا تم اس بات پر یقین کر لو گے؟“ میں نے کہا: ”کیوں نہیں!“ فرمایا: ”تمام تعریفیں اسی پاک پروردگار کے لیے ہیں جس نے مجھے ایسے مسلمان شخص سے ملوایا جو اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کرامات کا ماننے والا اور انہیں حق جاننے والا ہے۔“ (عیون الحکایات)

ارادے جن کے پختہ ہوں

حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد مولانا فضل امام صاحب سے تمام علوم و فنون کی تحصیل کر کے سند حدیث مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی سے حاصل کی اور چودہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر اپنے والد ماجد کے تلامذہ کو درس دینے لگے۔

علامہ موصوف اہل سنت کے مسلم الثبوت مایہ ناز عالم تھے۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے جب تقویۃ الایمان لکھ کر وہابیت کی اشاعت کی تو آپ نے مولوی اسماعیل دہلوی

سے مناظرہ فرمایا اور آپ کے تقریر و تحریری مناظروں سے مولوی اسماعیل دہلوی کی تمام گمراہیاں تازہ نگبوت کی طرح ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گئیں اور وہابیت کے پرچے اڑ گئے۔

آپ بادشاہ اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں ریڈیڈنٹ کے محکمہ میں سرشتہ دار رہے پھر نواب جھجھر کے یہاں آگئے پھر نواب رام پور کے اتالیق کچھ عرصہ لاہور میں بھی قیام فرمایا پھر نواب واجد علی شاہ کے عہد میں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء میں غدر کا ہنگامہ رونما ہوا تو دہلی آئے اور بہادر شاہ سے ملے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ تحریر فرمایا۔ بہادر شاہ کو جب انگریزوں نے گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا اور آپ اپنے وطن خیر آباد میں روپوش ہو گئے لیکن حاکم سیتا پور نے آپ کو گرفتار کر کے لکھنؤ بھیج دیا اور انگریزوں نے بغاوت کے جرم میں آپ پر مقدمہ چلایا۔ سرکاری وکیل کے سامنے حضرت علامہ خود ہی بحث کرتے تھے اور سرکاری وکیل کو بار بار خاموش کر دیتے تھے۔ حج یہ رنگ دیکھ کر پریشان تھاج کے سامنے آپ کی موجودگی میں جب سرکاری گواہ پیش ہوا تو اس نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ یہ وہ فضل حق نہیں ہیں جنہوں نے جہاد کا فتویٰ دیا ہے۔ وہ دوسرے شخص ہیں۔ آپ فوراً بول اٹھے کہ اس گواہ کی پہلی اطلاع بالکل صحیح ہے اب یہ جو کچھ کہہ رہا ہے بالکل غلط ہے مجھ پر جرم عائد کیا گیا ہے وہ بالکل درست ہے میں وہی فضل حق ہوں جس نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا ہے اور آج بھی اپنے فتویٰ پر قائم ہوں۔ حج نے آپ کے اس اقبالی بیان سے مجبور ہو کر جس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا تجویز کی جس کو آپ بنے بخندہ پیشانی قبول فرمایا اور آپ جزیرہ ”انڈیمان“ بھیج دیئے گئے اور وہیں ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (علامہ حق ص ۵۶)

سرکاری گواہ کے اس بیان کے بعد کہ یہ فضل حق نہیں ہیں جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا ہے۔

”حضرت علامہ کا باعزت بڑی ہو کر رہا ہو جانا بالکل یقینی تھا مگر حضرت علامہ کی غیرت ایمانی نے اس کو قبول نہیں کیا کہ میں اپنے فتویٰ سے رجوع کروں یا اپنے فتویٰ کو

چھپاؤں۔ آپ نے قید و بند اور جلا وطنی کی ہوشربا مصیبتوں کو بخندہ پیشانی قبول فرمایا مگر حق اور ضمیر کی آواز کے خلاف بولنا تو درکنار خاموش رہنا بھی گوارا نہیں فرمایا مگر اس تاریخی دستاویز سے آپ کے عزم راسخ اور استقلال و استقامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد حریت میں کتنے ثابت قدم تھے اور کتنے اولوالعزم اور مجاہدانہ جرات کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا مگر افسوس کہ مذہبی تعصب کی بناء پر دیوبندی پریش نے مولوی اسماعیل دہلوی اور سید احمد شاہ رائے بریلوی وغیرہ کو بحیثیت مجاہد حریت خوب خوب اچھالا مگر علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا کبھی بھول کر بھی تذکرہ نہیں کیا حالانکہ واقع یہ ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی وغیرہ نے زندگی بھر کبھی انگریزوں سے جہاد تو بڑی چیز ہے کبھی انگریزی حکومت کے خلاف زبانی تنقید بھی نہیں کی بلکہ مستند تواریخ اور تاریخی دستاویزوں سے یہ ثابت ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی پارٹی کو انگریز افسران رقم اور راشن دیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ان لوگوں کی دعوتیں بھی کرتے تھے چنانچہ علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”خون کا آنسو“ میں بہت اچھی طرح اس حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی پارٹی نے جو بالاکوٹ وغیرہ صوبہ سرحد کے علاقوں میں مسلمان امیروں اور سکھوں سے جنگ کی وہ انگریزوں کے اشارے پر کی اور اس کا مقصد انگریزی حکومت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

مگر ہٹلر کا وزیر نشریات ”گو بلز“ کہا کرتا تھا کہ بڑے سے بڑا جھوٹ کیوں نہ ہو لیکن اسے بار بار کہتے رہو تو چند دنوں میں وہ جھوٹ سچ ہو جائے گا بلکہ یہی معاملہ ہوا کہ مولوی اسماعیل دہلوی کو جھوٹ موٹ انگریزوں کے مقابلے میں ”مجاہد حریت بنا کر اس جھوٹ کو دیوبندی پریش نے برس ہا برس اس قدر اچھالا کہ آج واقعی لوگ مولوی اسماعیل دہلوی کو سچ سچ مجاہد حریت سمجھنے لگے بلکہ ”شہید جہاد حریت“ کے خطاب سے یاد کیے جانے لگے حالانکہ حقیقت یہ ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر میں تحریر فرمادی

ہے کہ

وہ جسے وہابیہ نے دیا یہ لقب شہید و ذبح کا
وہ شہید لیلیٰ نجد تھا وہ ذبح تیغ خیار ہے

(روحانی حکایات)

نظر جن کی خدا پر ہو

حضرت مولانا محمد نور صاحب لکھنوی (شاگرد ملک العلماء بحر العلوم) ایک روز کہیں تشریف لے جا رہے تھے سامنے سے بادشاہ اودھ کا وزیر علی بخش ہاتھی پر چلا آ رہا تھا اس نے حضرت کو دیکھ کر اتنا ادب کیا کہ ہاتھی کو بٹھا کر زمین پر اتر آیا اور قریب آ کر سلام عرض کیا لیکن چونکہ اس کی داڑھی منڈھی ہوئی تھی اور وہ رافضی بھی تھا اس لیے آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اس نے سمجھا کہ شاید مجھے دیکھا نہیں اس لیے دوسری طرف سے جا کر سلام کیا۔ آپ نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا اس نے تیسری مرتبہ پھر سلام کیا مگر آپ نے جواب نہیں دیا تو وہ غصہ میں بھرا ہوا ہاتھی پر چڑھ کر یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ میں نے فرنگی محل کے مردوں کی داڑھیاں اور عورتوں کا سر نہ منڈوا یا تو علی بخش نام نہیں جب آپ مکان پر تشریف لے گئے تو ایک طالب علم نے علی بخش کا وہ فقرہ عرض کیا۔ آپ یہ سن کر فوراً باہر تشریف لائے اس وقت حضرت مولانا سید آل رسول صاحب مارہروی اور حضرت مولانا فضل رسول صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہما آپ کے دونوں طالب علم تھے۔ عرض کیا: ”حضور! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟“

آپ نے پوربی زبان میں فرمایا: ”بچو نورا کی حماقتے تو ہے۔ علی بخش آیا تھا سلام کیا تھا۔ جواب دے دیا ہوتا اب وہ کسی کی داڑھی مونڈھے ہے کسی کا مونٹر موڑے ہے۔ نورا

کی حماقتے تو ہے۔“

یہ کہہ کر آپ سیدھے شاہی محل کو روانہ ہو گئے حالانکہ اس سے پیشتر آپ کبھی بھی شاہی محل میں تشریف نہیں لے گئے تھے۔ پیچھے پیچھے آپ کے یہ دونوں شاگرد بھی ہمراہ چلے اس دن نوروز کا دن تھا اور شاہی محل میں جشن ہو رہا تھا جب دربان نے آپ کو آتے دیکھا تو گھبرا کر دوڑتا ہوا گیا اور بادشاہ کو آپ کی آمد کی خبر دی۔ بادشاہ سن کر گھبرا گیا اور حکم دیا کہ گانے بجانے اور شراب و کباب کا سارا سامان فوراً ہٹا دیا جائے اور خود دروازے تک استقبال کر کے حضرت کو اندر لے گیا اور انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو بٹھایا۔ بادشاہ کا وزیر علی بخش یہ منظر دیکھ کر کانپ اٹھا کہ ضرور میری شکایت کریں گے اور خدا ہی جانے بادشاہ کیا کچھ کرے گا مگر حضرت وزیر کی شکایت کرنے تو گئے نہیں تھے بلکہ وزیر کو اپنی عظمت دکھانے کے لیے تشریف لے گئے تھے تاکہ وہ ایذا رسانی کے خیال سے باز رہے۔ آپ تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے پھر بادشاہ نے عرض کیا: ”حضرت اس وقت کیسے تشریف لائے؟“

ارشاد فرمایا: ”تیری زمین میں رہتے ہیں ہم نے کہا ذرا ہوا آئیں۔“

بادشاہ نے نوروز کی شیرینی پیش کی تو فرمایا: ”ہمارے دو بچے بھی باہر ہیں۔“

چنانچہ دونوں حضرات کو بھی بلا لیا گیا۔ تھوڑی دیر تشریف رکھ کر واپس تشریف لے

گئے۔ (حیات اعلیٰ حضرت ج ۱ ص ۲۴۰)

ابو الحسن نوری علیہ الرحمہ اور کمال ایثار

حکایات میں یہ بات مشہور ہے کہ جب غلام الخلیل نے اس گروہ (اصفیاء) کے

ساتھ جب اپنی عداوت ظاہر کی اور ہر ایک سے دشمنی کا اظہار کیا اور سرکاری آدمی حضرت

نوری و حضرت رقام و حضرت ابو حمزہ کو پکڑ کر دار الخلافہ میں لے گئے اور غلام الخلیل نے کہہ دیا کہ بے دین کی جڑ کٹ جائے گی کیونکہ سب بے دینوں کے سرغنہ یہی لوگ ہیں اور جس کے ہاتھ سے یہ نیکی ہو، میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے بہت بڑے اجر کا ضامن ہوں چنانچہ خلیفہ نے اسی وقت ان کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا۔ جلاد آگیا اور تینوں کے ہاتھ باندھ دیئے جب جلاد نے حضرت رقام کے قتل کرنے کا قصد کیا تو حضرت نوری اٹھ کر بڑی خوشی سے حضرت رقام کی جگہ جلاد کے سامنے جا بیٹھے۔ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ جلاد نے آپ سے کہا: ”اے جوانمرد! یہ تلوار ایسی چیز نہیں ہے کہ کوئی ایسی رغبت سے اس کے سامنے آجائے جیسے کہ تم آگئے ہو حالانکہ ابھی تک تمہاری باری نہیں آئی۔“

آپ نے فرمایا: ”یہ صحیح ہے کہ میری باری نہیں آئی لیکن میرا طریق ایثار پر مبنی ہے اور دنیا میں عزیز ترین چیز زندگی ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ یہ چند سانس بھی ان بھائیوں کے کام میں صرف کروں کیونکہ دنیا کا ایک سانس آخرت میں میرے نزدیک ہزار سانس سے بہتر ہے اس لیے یہ دنیا عمل کا گھر ہے اور آخرت ثواب کا اور ثواب خدمت کرنے پر ہی حاصل ہوتا ہے۔“

جب قاصد نے یہ خبر خلیفہ کو پہنچائی تو خلیفہ آپ کی طبیعت کی رقت اور آپ کے کلام کی باریکی کی وجہ سے سخت متعجب ہوا اور آدمی بھیج کر حکم دیا کہ ان لوگوں کے معاملہ میں سروسٹ توقف کیا جائے۔ ابوالعباس بن علی اس وقت قاضی القضاة تھے۔ چنانچہ ان کا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ وہ ان تینوں حضرات کو اپنے گھر لے گئے اور جو کچھ ان حضرات سے شریعت و حقیقت کے احکام کے متعلق دریافت کیا اس میں ان کو درست پایا۔ وہ اپنی غفلت کی وجہ سے ان کے حال سے سخت پریشان و پشیمان ہوا اس پر حضرت نوری نے فرمایا:

”اے قاضی! آپ نے یہ سب کچھ تو پوچھا مگر پوچھنے کی بات نہ پوچھی:

فان لله عبادا یا کلون بالله ویشربون بالله ویلبسون بالله ویقولون

بِاللّٰهِ ۔

”پس بلاشبہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کا کھانا، پینا، بیٹھنا اور بولنا سب اللہ کے ساتھ ہے۔“

کیونکہ ان کا قیام و قعود و نطق و حرکت و سکون سب اللہ کے ساتھ ہے اسی کے ساتھ وہ زندہ ہیں اور اسی کے مشاہدہ سے ان کی بقاء ہے کہ اگر لحظہ بھر مشاہدہ حق ان کے حال سے منقطع ہو جائے تو ان کے وجود میں میں شور برپا ہو۔ قاضی صاحب آپ کے کلام کی دقت اور آپ کے حال کی صحت پر بڑے متعجب ہوئے اور خلیفہ کو لکھ دیا کہ اگر یہ لوگ ملحد ہیں تو

من الموحد فی العالم۔ ”پھر جہان میں موحّد کون ہے؟“

میں گواہی دیتا ہوں اور حکم کرتا ہوں کہ اگر یہ لوگ بے دین ہیں تو پھر روئے زمین پر کوئی موحّد نہیں۔ خلیفہ نے ان حضرات کو بلا کر فرمایا: ”کوئی حاجت طلب کرو۔“ انہوں نے فرمایا: ”ہمیں صرف یہ حاجت ہے کہ آپ ہمیں بالکل فراموش کر دیجیے نہ ہمیں اپنے قبول سے مقرب بنائیے اور نہ اپنے ہجر سے راندہ درگاہ کیجیے کیونکہ آپ کا ہمیں چھوڑ دینا بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ رد کر دینا۔“

☆..... خلیفہ روپڑا اور عزت و احترام سے ان کو واپس کر دیا۔

(کشف المحجوب (ترجمہ) ص ۲۹۱)

حضرت ابوالحسن انطاکی خراسان کے شہر رے میں رہتے تھے۔ ایک دن تیس سے زیادہ مہمان آگئے اور روٹی تھوڑی تھی، تیاری کا موقع نہ تھا، رات کا وقت تھا، انہوں نے جتنی روٹیاں موجود تھیں، سب کے ٹکڑے کیے اور دسترخوان پر ان کو پھیلا کر سب کو بٹھانے سے پہلے چراغ گل کر دیا اور سب نے کھانا شروع کر دیا۔ سب کے منہ چلانے کی آواز آتی تھی جب دیر ہو گئی گویا سب بالکل فارغ ہو گئے تو چراغ جلا دیا گیا اور دسترخوان اٹھایا گیا اس میں وہ سارے ٹکڑے بدستور رکھے تھے۔ سب ہی خالی منہ چباتے رہے کسی

نے بھی اس خیال سے نہ کھایا کہ اچھا ہے دوسرے ہی کا کام چل جائے گا۔ صوفیاء کی پہچان ہی یہی ہے کہ وہ اپنے پیٹ اور نفس کے بندے نہیں ہوتے۔ وہ اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے جیتے ہیں وہ خود بھوکے رہتے ہیں اور دوسروں کو کھلاتے ہیں جو آدمی پیٹ کا پجاری اور اپنے پیٹ پر ہاتھ مارنے والا ہے وہ کبھی صوفی نہیں ہو سکتا۔ تصوف و طریقت تو نام ہی خدمتِ خلق کا ہے۔ (مخزن اخلاق ص ۲۴۰)

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ

بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ ایک عورت سے ملے ان کی نظر اس پر پڑ گئی اس وجہ سے ان کو رنج ہوا اور فرمایا: ”اے اللہ! بے شک تو نے بینائی تو اپنی جانب سے ایک نعمت عطا کی ہے لیکن ڈر ہے کہ یہی بینائی مجھ پر عذاب ہوگی۔ (اس لیے) اس کو تو مجھ سے لے لے۔“

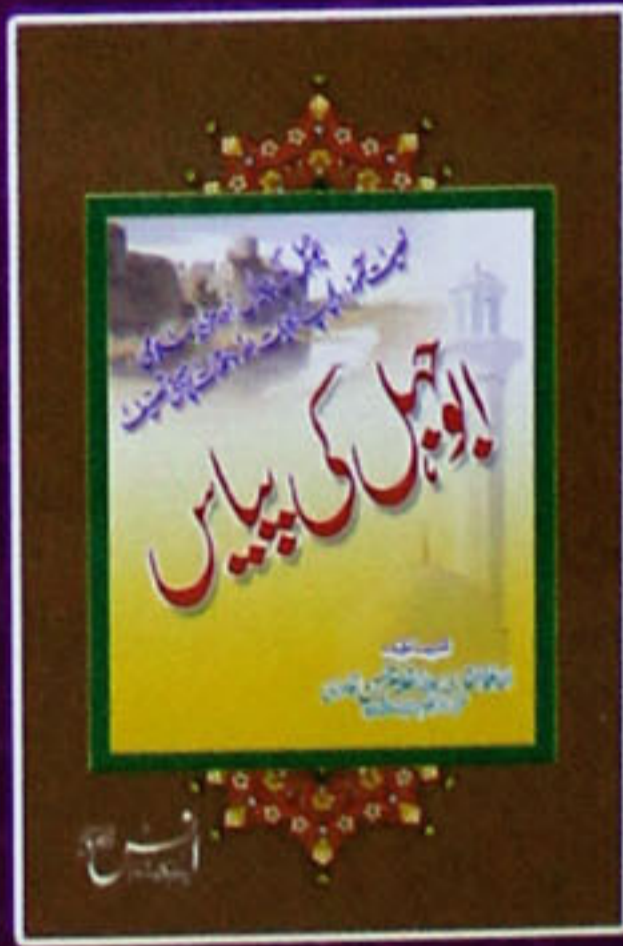
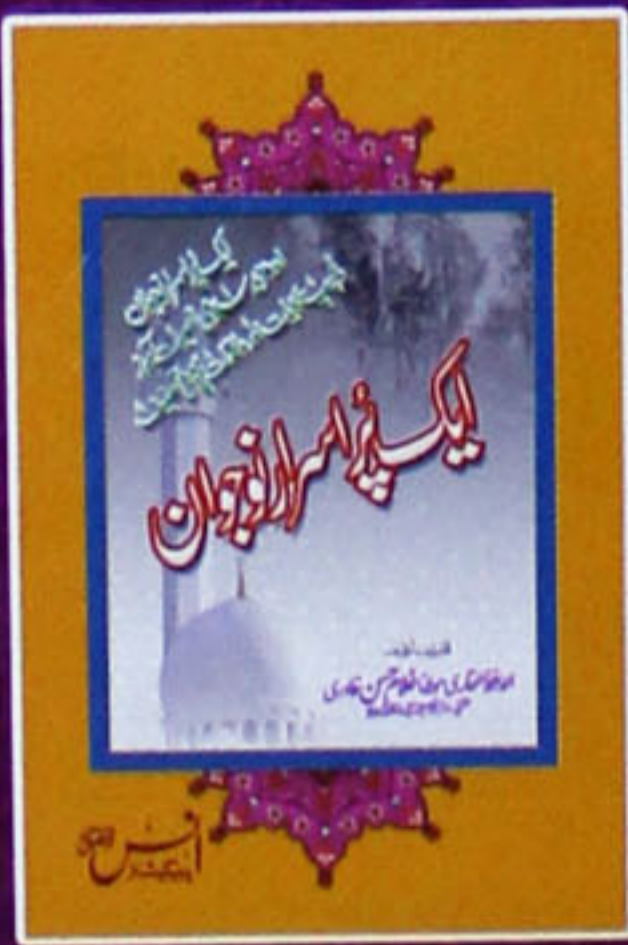
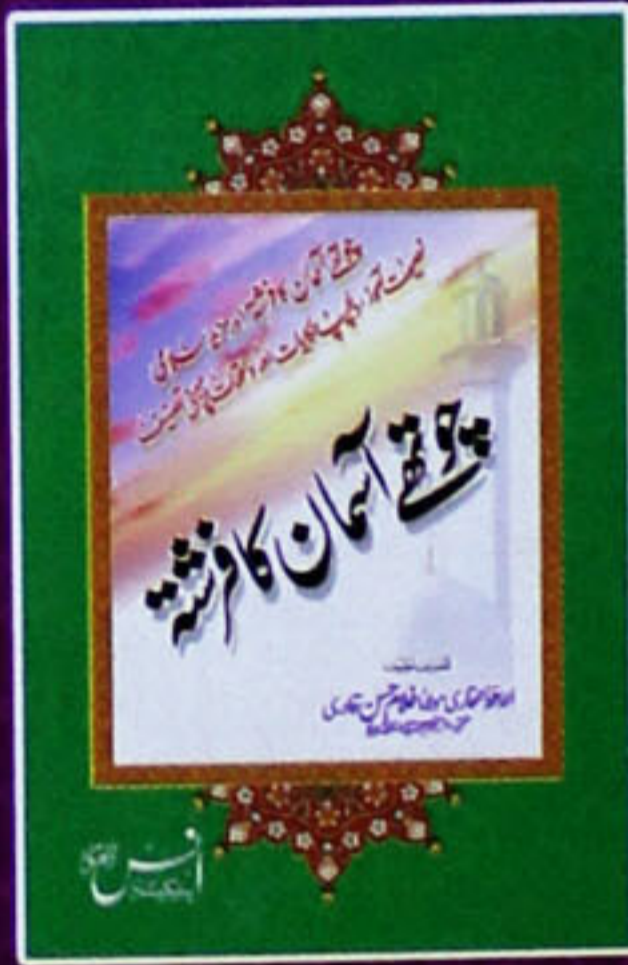
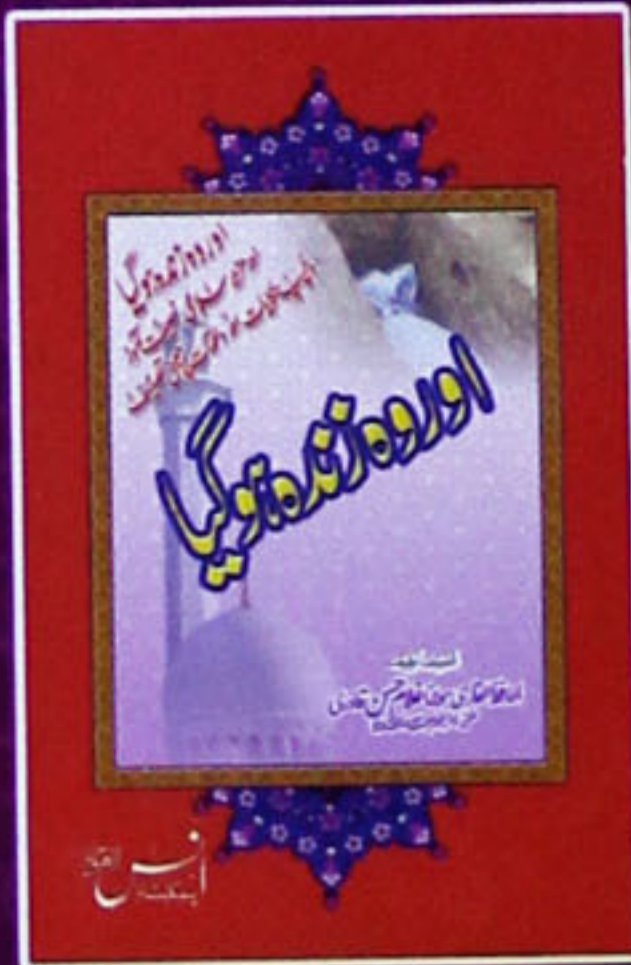
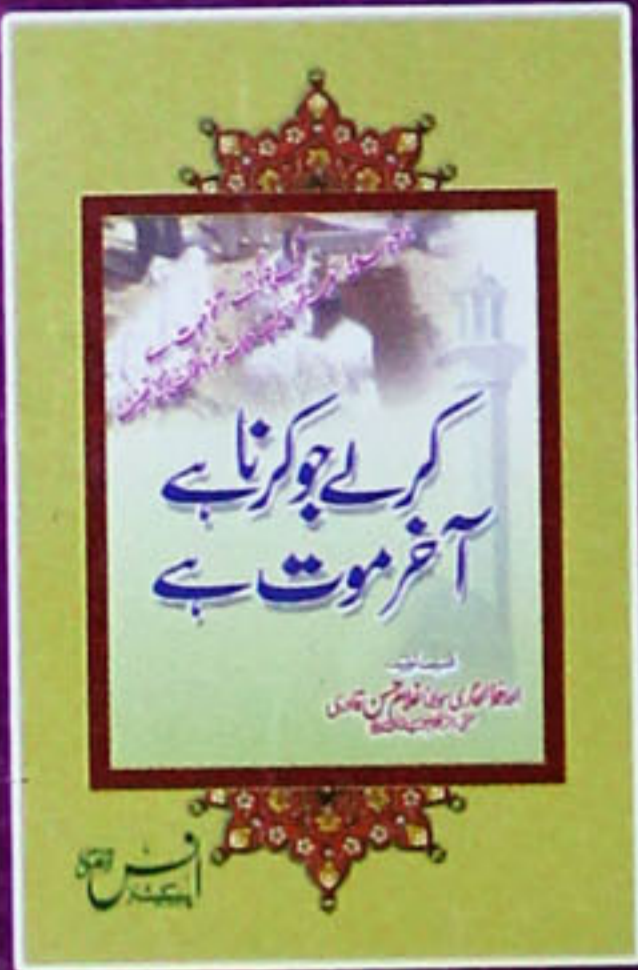
چنانچہ وہ اسی وقت اندھے ہو گئے اس کے بعد وہ مسجد جاتے تھے تو ان کا ایک چھوٹا بھتیجا ان کو کھینچ کر یعنی ہاتھ وغیرہ پکڑ کر لے جاتا تھا جب وہ لڑکا ان کو مسجد تک پہنچا دیتا تھا تو خود وہاں سے چل دیتا تھا اور لڑکوں کے ساتھ کھیلنے لگتا تھا اور ان کو چھوڑ دیتا تھا جب ان کو کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو وہ لڑکے کو پکارتے تھے اور وہ ناخوشی سے ان کی ضرورت کو پوری کرتا تھا پھر کھیل میں لگ جاتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک دن مسجد میں اسی حالت سے تھے کہ ناگاہ انہوں نے ایک ایسی چیز محسوس کی جو ان کے گرد پھرتی تھی وہ اس سے ڈرے اور لڑکے کو بلایا لیکن اس نے ان کو جواب نہ دیا اس کے بعد انہوں نے اپنی نظر آسمان کی جانب اٹھائی اور کہا: ”اے میرے معبود! میرے سردار! میرے آقا! بے شک تو نے مجھے ایسی بینائی عطا فرمائی تھی کہ میں اس سے تیری اس نعمت کو دیکھتا تھا جو مجھ پر تھی لیکن میں ڈرا کہ یہ نعمت بینائی مجھ پر عذاب ہوگی۔ میں نے تجھ سے سوال کیا کہ تو اس کو لے لے تو نے

اس کو لے لیا اور اب میں بینائی کا محتاج ہوں اس لیے اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اس کو مجھ پر واپس کر دے۔“

پس اللہ تعالیٰ نے بینائی کو اس پر پھیر دیا یعنی اسی وقت اس کو انکھیاں کھل کر دیا اور وہ بینا ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (انوار محبوبی ترجمہ نوادر قلیوبی)



ہماری چند دیگر مطبوعات



40- اردو بازار، لاہور
Mob: 0300-8852283

انیشنز
پبلیکیشنز